آدابِ معاشرت

ترتیب

گروہ نگارش

ادارہ تعلیم و تربیت لاہور

آدابِ معاشرت

ترتیب

گروہ نگارش

ادارہ تعلیم و تربیت لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آدابِ معاشرت

ترتیب

گروہ نگارش

ناشر

ادارہ تعلیم وتربیت لاہور پاکستان

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : آدابِ معاشرت

ترتیب : گروہ نگارش

ناشر : ادارہ تعلیم و تربیت، لاہور

کمپوزنگ : لیزر کمپوزنگ ان

کمرہ نمبر 1، فرسٹ فلور، عزیز مینشن، رائل پارک، لاہور

قیمت :

اسٹاکسٹ:

- مکتبۃ الرضا: 8-بیسمنٹ میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 7245166
- حیدری کتب خانہ: اندرون کربلا گامے شاہ، لاہور 0345-4563616

فہرست

پہلا سبق

حسن خلق کے معنی 6
معصومین کیا فرماتے ہیں 6
اخلاق معصومین کے چند نمونے 8
نیک خلقی کے فوائد اور آثار 10
دنیوی فوائد 10
اخروی فوائد 12
بدخلقی 12
بدخلقی کا انجام 13

دوسرا اور تیسرا سبق

اسلام میں نظم وضبط کی اہمیت 18
نجی زندگی میں اس کی اہمیت 23
صفائی
ستھرائی
عہدو پیمان میں اس کی اہمیت 24
عبادات میں اس کی اہمیت 26
اخراجات میں اس کی اہمیت 29
جنگ اور عسکری امور میں اس کی اہمیت 29

چوتھا سبق

سچ اور جھوٹ 34
سچ انبیاء کے مقاصد میں سے ایک ہے 36
جھوٹ کے برے اثرات 37
جھوٹ کیوں بولا جاتا ہے 39
جھوٹ کا علاج 41

پانچواں اور چھٹا سبق

مقدمہ 46
ناروا گفتگو اور بدکلامی 46
بدکلامی کا انجام 48
معصوم پیشواؤں کا کردار 51
بدکلامی کا علاج 54

ساتواں سبق

غیبت اور تہمت کے معنی 60
قرآن وحدیث میں غیبت کی مذمت 61
مومن کی غیبت سے بچنا چاہیے 63

غیبت کے آلات 64

غیبت کے اسباب 64

غیبت کا کفارہ 65

قرآن وحدیث میں تہمت کی مذمت 67

آٹھواں اور نواں سبق

مقدمہ 70

اخوت ایک خدائی نعمت 72

دینی بھائیوں کے حقوق 73

بہترین بھائی 75

اتحاد ایک قرآنی حکم 76

فرقہ بندی کے خطرات 78

تفرقہ پردازی مفسرین کا شیوہ 81

فرقہ بندی عذاب الہی کی ایک قسم 82

دسواں اور گیارہواں سبق

والدین کے حقوق 86

معصومینؑ کے کلام کی روشنی میں 89

اویس قرنی کا کردار سبق آموز 91

باپ کا احترام امام زمانہؑ کا فرمان 92

والدین کے لیے اولاد کا فریضہ 93

مرنے کے بعد یاد رکھنا 94

والدین سے نیک سلوک کا انجام 95

خدا کا فرمان یا والدین کی خواہش کی تکمیل 99

بارھواں سبق

تواضع یا انکساری 102

تواضع کے بارے میں روایات 102

تواضع کے آثار 104

کن لوگوں کے سامنے تواضع 106

رسول اکرمؐ کی تواضع 107

حضرت عیسیٰؑ سے ایک سبق 107

امام زین العابدینؑ کی انکساری 108

تواضع اپنانے سے متعلق چند نکات 109

پہلا سبق

(۱) حسن خلق کے معنی

(۲) معصومینؑ کیا فرماتے ہیں

(۳) اخلاق معصومینؑ کے چند نمونے

(۴) نیک خلقی کے فوائد اور آثار

الف: دنیوی فوائد

ب: اخروی فوائد

(۵) بدخلقی

(۶) بدخلقی کا انجام

حسن خلق کے معنی

حسن خلق کا معنی اچھی عادت ہے، چنانچہ ہر اس شخص کو خوش اخلاق کہا جاتا ہے اچھی عادتیں جس کی ذات و سرشت کا جزو بن چکی ہوں یعنی اس کی نیک عادات اور اچھے اطوار اس کی شخصیت کا حصہ بن چکے ہوں، ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا: مولا حسن خلق کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا:

تم اپنی ملاقات کے انداز میں نرمی پیدا کرو، اپنی گفتگو کو شائستہ بناؤ اور اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو۔

معصومینؑ کیا فرماتے ہیں:

رسول خداؐ اور آئمہ معصومین علیہم السلام حسن خلق کے اعلیٰ ترین نمونے تھے اور یہ بے مثال حسن خلق ان کے کردار سے عیاں تھا، ان ہی عظیم ہستیوں اور شخصیتوں کے ارشادات کی روشنی میں ہم حسن خلق کے اعلیٰ ترین درجات پر فائز ہو سکتے ہیں چنانچہ ہم یہاں ان کے ارشادات کے چند نمونے پیش

کر رہے ہیں تا کہ وہ ہماری زندگی کے لیے مشعل راہ بن کر ہماری رہنمائی کریں۔ رسول اللہؐ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

کیا میں تمھیں وہ چیز نہ بتاؤں کہ جسے اپنا کر تم اخلاق کے لحاظ سے باقی لوگوں کی نسبت مجھ رسولؐ سے زیادہ شباہت قائم کر سکو؟

صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ ضرور بتائیے۔

آپؐ نے فرمایا:

جس کا اخلاق بہت اچھا ہے۔[1]

آپؐ ہی کا ارشاد ہے:

خوش نصیب ہے وہ شخص جو لوگوں سے خوش خلقی سے ملتا ہے اور ان کی مدد کرتا ہے اور اپنی برائی سے انھیں محفوظ رکھتا ہے۔[2]

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

خداوند عالم نے اپنے ایک پیغمبر کو مخاطب کر کے فرمایا خوش خلقی گناہوں کو اسی طرح ختم کر دیتی ہے جس طرح سورج برف کو پگھلا دیتا ہے۔[3]

آپؑ ہی کا ارشاد ہے کہ:

بے شک بندہ اپنے حسن اخلاق سے دن کو روزہ رکھنے

---

۱ اصول کافی مترجم، ج ۲/ص ۸۳
۲ تحف العقول ص ۴۰
۳ تحف العقول ص ۴۸
۴ وسائل الشیعہ، ج ۸ ص ۵۶

والے اور رات کو نماز قائم کرنے والے کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔[۲]

۳- اخلاق معصومینؑ کے چند نمونے:

ہمارے معصوم راہنماؤں نے جس طرح حسن اخلاق کے بارے میں نہایت ہی سبق آموز ارشادات بیان فرمائے ہیں اسی طرح دوست اور دشمن کے سامنے نیک اخلاق اور اعلیٰ رتبہ کے عملی نمونے بھی پیش کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

۱- انس (پیغمبر اکرمؐ کے خادم) سے مروی ہے کہ:

میں نے رسالت مآبؐ کی نو سال تک خدمت کی، لیکن اس طویل عرصے میں حضورؐ نے مجھے ایک بار بھی یہ نہیں فرمایا: ''تم نے ایسا کیوں کیا؟'' میرے کسی کام میں کبھی نقص نہیں نکالا، میں نے اس مدت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو سے بڑھ کر کوئی اور خوشبو نہیں سونگھی، ایک دن ایک بادیہ نشین (دیہاتی) آیا اور آنحضرتؐ کی عبا کو اتنی زور سے کھینچا کہ عبا کے نشان آپؐ کی گردن مبارک پر ظاہر ہوگئے۔ اس کا اصرار تھا کہ حضور اکرمؐ اسے کوئی چیز عطا فرمائیں، رسالت مآبؐ نے بڑی نرمی اور مہربانی سے دیکھا اور مسکراتے ہوئے فرمایا:

''اسے کوئی چیز دے دو۔''

چنانچہ خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی:

إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ [۱]

۲- حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے قریبی افراد میں سے ایک شخص آپؑ کے پاس آیا اور آپ کو بُرا بھلا کہنے لگا، لیکن آپؑ خاموش رہے، جب وہ شخص چلا گیا تو امامؑ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا:

''آپ لوگوں نے سن لیا کہ اس شخص نے کیا کہا ہے! اب میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ چلیں اور میرا جواب بھی سن لیں۔''

امام علیہ السلام راستے میں اس آیت کی تلاوت فرماتے جارہے تھے۔

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ [۲]

(مومنین وہ ہیں) ''جو لوگ غصے کو پی جاتے ہیں، اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔''

ساتھیوں نے سمجھ لیا کہ امامؑ آیت عفو کی تلاوت فرما رہے ہیں لہٰذا اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچائیں گے، جب اس کے گھر پہنچے تو امامؑ نے اس کے خادم سے فرمایا کہ:

---

۱ منتہی الآمال، ج ۱ ص ۳۱ سورۂ قلم آیت ۴

۲ سورۂ آل عمران آیت ۱۳۴

اپنے مالک سے کہہ دو کہ علی ابن الحسینؑ، ''زین العابدینؑ'' تمھیں بلا رہے ہیں۔

جب اس شخص نے سنا کہ امام فوراً ہی اس کے پاس آئے ہیں، اس نے دل میں کہا یقیناً حضرتؑ مجھے میرے کیے کی سزا دیں گے اور مجھ سے میری حماقت کا انتقام لیں گے، چنانچہ اس نے خود کو مقابلہ کے لیے تیار کر لیا، لیکن جب باہر آیا تو امامؑ نے فرمایا:

''میرے پیارے! تم نے ابھی کچھ دیر پہلے میرے متعلق کچھ باتیں کہی تھیں؟ اگر یہ باتیں میرے اندر ہیں تو خدا مجھے معاف کرے اور اگر میں ان سے بَری ہوں تو خدا تمھیں معاف کرے۔''

اس شخص نے جب یہ سنا تو بہت شرمندہ ہوا امامؑ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور معافی مانگنے لگا اور عرض کی ''میں نے جو کچھ کہا غلط کہا بے شک آپؑ ایسی باتوں سے پاک ہیں۔'' ہاں میرے اندر یہ باتیں موجود ہیں۔[1]

۴- نیک خلقی کے آثار و فوائد:

(الف) دنیوی فوائد:

(۱) نیک اخلاق اپنانے سے دوستانہ تعلقات مضبوط ہوتے ہیں، چنانچہ حضرت رسول خداؐ فرماتے ہیں:

[1] منتہی الامال، ج ۳، ص ۵، مطبوعہ انتشارات جاویدان
[2] تحف العقول، ص ۳۸ — [3] اصول کافی، ج ۳، ص ۱۵۷

حُسْنُ الْخُلُقِ يُثَبِّتُ الْمُوَدَّةَ[1]

اخلاق حسنہ، دوستی اور محبت کو مستحکم کرتے ہیں:

(۲) اس سے زمینیں آباد اور عمریں طولانی ہوتی ہیں، چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''نیکی اور اچھے اخلاق سے زمینیں آباد اور عمریں طولانی ہوتی ہیں۔''[2]

(۳) رزق و روزی میں برکت ہوتی ہے، امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

حُسْنُ الْخُلُقِ مِنَ الدِّيْنِ وَهُوَ يَزِيْدُ فِي الرِّزْقِ[3]

حسن خلق دین کا جز اور روزی میں اضافہ کا سبب ہے۔

(۴) عزت اور بزرگی کا موجب بنتا ہے جیسا کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

كَمْ مِنْ وَضِيْعٍ رَفَعَهُ حُسْنُ خُلُقِهِ[4]

کتنے پست لوگ ایسے ہیں جنھیں ان کے نیک اخلاق نے بلند کر دیا ہے۔

(۵) حسن خلق کینہ پروری اور کدورتوں کو دور کرتا ہے، رسالت مآبؐ کا ارشاد ہے:

''خندہ پیشانی اور کشادہ روئی کینوں کو دور کر دیتی

[1] تحف العقول، ص ۳۸ — [2] اصول کافی، ج ۳، ص ۱۵۷
[3] تحف العقول، ص ۳۸ — [4] شرح غرر الحکم، ج ۷، ص ۹۴

ہے۔"[1]

(ب) اخروی فوائد:

(۱) حسن خلق کے سبب قیامت کے دن حساب میں آسانی ہوگی، حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"صلہ رحمی کرو کہ یہ تمھاری عمر کو بڑھائے گا، اپنے اخلاق کو نیک بناؤ کہ خدا تمھارا حساب آسان کرے گا۔"[2]

(۲) بہشت میں جانے کا موجب بنتا ہے، حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"میری امت، بیشتر تقوی اور نیک اخلاق کی وجہ سے بہشت میں جائے گی۔"[3]

(۳) بلند درجات کا سبب قرار پاتا ہے، چنانچہ پیغمبرؐ کا ارشاد ہے:

"اس میں شک ہی نہیں کہ نیک اخلاق کی وجہ سے بندہ آخرت کے بلند درجات اور اعلیٰ مراتب تک جا پہنچتا ہے، نیک اخلاق عبادت (کے ثواب) کو دوگنا کر دیتے ہیں۔"[4]

۵- بد خلقی:

بد خلقی، حسن خلق کی ضد ہے، جس قدر حسن خلق لائق تحسین اور قابل

۱ تحف العقول، ص ۳۸
۲ بحار الانوار، ج ۶۸، ص ۳۸۳
۳ مستدرک الوسائل، ج ۲، ص ۸۲
۴ اصول کافی، ج ۳، ص ۱۵۷

ستائش ہے بد خلقی اسی قدر قابل مذمت اور منفور ہے۔

اسلام نے جہاں اخلاق حسنہ کی بے حد تعریف کی ہے وہاں بد خلقی کو منفور قرار دیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِيْ مُسْلِمٍ، اَلْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلْقِ[1]

"کسی مسلمان میں بخل اور بد اخلاقی جمع نہیں ہو سکتیں۔"

حضرت علی علیہ السلام اس بری خصلت کو ذلت اور پستی کی علامت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

مِنَ اللُّؤْمِ سُوْءُ الْخُلْقِ[2]

"بد اخلاقی ایک لعنت و پستی ہے۔"

دوسری جگہ اسے جہالت اور نادانی کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَلْخُلْقُ الْمَذْمُوْمُ مِنْ ثِمَارِ الْجَهْلِ

"بد خلقی جہالت کا ثمرہ ہے۔"

۶- بد اخلاقی کا انجام:

بد اخلاقی کا انجام بہت برا ہوتا ہے نمونے کے طور پر ملاحظہ فرمائیں۔

۱ میزان الحکمہ، ج ۳، ص ۱۵۳
۲ شرح غرر الحکم، ج ۷، ص ۹۵

۱- انسان کو خدا کے قرب سے دور کر دیتی ہے، جیسا کہ امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے:

عُبُوسُ الْوَجْهِ سُوْءُ الْبِشْرِ مَكْسَبَةٌ لِلْمَقْتِ وَبُعْدٌ مِنَ اللّٰهِ[۱]

''ترش روئی اور بدخلقی خدا کی ناراضگی اور اس سے دوری کے اسباب میں شمار ہوتی ہے۔''

۲- بداخلاقی انسان کی روح کو دکھ پہنچاتی ہے، جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ سَاءَ خُلُقُهُ عَذَّبَ نَفْسَهُ[۲]

''جو شخص بد اخلاق ہوتا ہے وہ خود ہی کو عذاب میں مبتلا رکھتا ہے۔''

۳- نیک اعمال کو تباہ و برباد کر دیتی ہے، رسول خداؐ فرماتے ہیں:

اَلْخُلُقُ السَّيِّئُ يُفْسِدُ الْعَمَلَ كَمَا يُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ[۳]

''بداخلاقی انسان کے اعمال کو ایسے ہی تباہ کر دیتی ہے جس طرح سرکہ شہد کو تباہ کر دیتا ہے۔''

۴- توبہ کے قبول ہونے میں رکاوٹ بنتی ہے، جیسا کہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے:

---

۱ تحف العقول، ص ۲۱۷ ۲ بحار الانوار، ج ۷، ص ۳۳۶

۳ میزان الحکمۃ، ج ۳، ص ۱۵۲ ۴ بحار الانوار، ج ۷۳، ص ۲۹۹

خداوند عالم بداخلاق شخص کی توبہ کو قبول نہیں کرتا۔

لوگوں نے پوچھا:

یارسول اللہؐ! ایسا کیوں ہے؟ فرمایا:

اس لیے کہ جب انسان کسی گناہ سے توبہ کرتا ہے، تو پھر اس سے بڑے گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے۔[۱]

۵- رزق کو کم کر دیتی ہے، امیر المومنینؑ فرماتے ہیں۔

مَنْ سَاءَ خُلُقُهُ ضَاقَ رِزْقُهُ[۱]

''بداخلاقی روزی کو کم کر دیتی ہے۔''

۶- انسان کو جہنمی بنا دیتی ہے، جیسا کہ رسول خداؐ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ فلاں شخص دن کو روزہ رکھتا ہے، اور رات عبادت میں گزار دیتا ہے لیکن بد اخلاق ہے، اور ہمسایوں کو ستاتا ہے۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا:

''اس شخص میں کوئی اچھائی نہیں، وہ جہنمی ہے۔''[۲]

---

۱ میزان الحکمۃ، ج ۳، ص ۱۵۵ ۲ میزان الحکمۃ، ج ۳، ص ۱۵۴

دوسرا اور تیسرا سبق

نظم و ضبط

۱- اسلام میں نظم و ضبط کی اہمیت

۲- نجی زندگی میں اس کی اہمیت

الف: صفائی

ب: ستھرائی

۳- عہد و پیمان میں اس کی اہمیت

۴- عبادات میں اس کی اہمیت

۵- اخراجات میں اس کی اہمیت

۶- جنگ اور عسکری امور میں اس کی اہمیت

نظم وضبط

خدانے ہرایک چیز کونظم کی بنیاد پر خلق فرمایا ہے، اس بھری کائنات میں ہرایک چیز کا اپنا ایک مقام ہے اور اس کی ایک مخصوص ذمہ داری ہے۔

جهان چون خدوخال و چشم و ابروست
که هر چیزی به جای خویش نیکوست

یعنی یہ کائنات خدوخال اور چشم وابرو کی مانند ہے، جس کی ہرایک چیز اپنی اپنی جگہ پرنہایت ہی مناسب اور موزوں ہے۔

۱- اسلام میں نظم وضبط کی اہمیت:

خدائے عالم وقادر نے اپنی پوری کائنات میں اس محیّر العقول نظم کو جاری وساری فرمایا ہے، اس بات کو پسند کرتا ہے کہ بنی نوع انسان بھی اپنی نجی اور اجتماعی زندگی میں نظم وضبط پیدا کریں۔ اس نے آسمانی مذاہب کے ذریعہ خصوصاً دین اسلام کے ذریعہ اس کی اہمیت بیان فرمائی ہے، اور اس

کی پابندی کا حکم دیا ہے۔

ہم یہاں نظم وضبط سے متعلق کچھ اسلامی احکام بیان کرتے ہیں امید ہے کہ قارئین احکام الٰہی کو پیش نظر رکھ کر اپنی زندگی کو پوری طرح سنوارنے کی کوشش کریں گے۔

(۱) نجی اور فردی زندگی میں نظم وضبط کی اہمیت کسی مسلمان کی فردی زندگی میں نظم وضبط کا تعلق، صحت وصفائی، لباس کی وضع وقطع، سر اور چہروں کی اصلاح بالوں کوسنوارنا اور مسواک وغیرہ کرنے سے ہوتا ہے۔

اختصار کے ساتھ ہم ان امور سے متعلق گفتگو کریں گے۔

(الف) صفائی:

لباس، بدن اور زندگی کے دوسرے امور کی پاکیزگی اور صفائی کے بارے میں اسلام نے بہت زور دیا ہے، چنانچہ رسالت مآب کا ارشاد ہے:

''خداوند عالم پاک وپاکیزہ ہے اور وہ پاکیزگی، طہارت اور صفائی کو دوست رکھتا ہے۔''[1]

دوسری جگہ فرمایا:

''جہاں تک ہو سکے اور جیسے بھی بن پڑے، پاک وپاکیزہ رہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بنیاد صفائی پر رکھی ہے اور بہشت میں سوائے صاف ستھرے شخص کے کوئی اور نہیں جاسکے گا۔''[2]

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

---

۱ میزان الحکمۃ، ج ۱۰، ص ۹۲

''پاکیزگی کا شمار انبیاءؑ کے اخلاق میں ہوتا ہے۔''[1]

(ب) ستھرائی:

سر، بدن، لباس اور جوتوں وغیرہ کو آراستہ اور صاف رکھنا، اسلام کا ایک اخلاقی دستور ہے اس کا تعلق ایک پکے اور سچے مومن و مسلمان کی نجی زندگی کے نظم وضبط سے ہے۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے ایک مسلمان کو اپنی وضع وقطع اور پاکیزگی کا خیال رکھنے کے علاوہ اپنے لباس اور جسمانی وضع وقطع کو بھی سنوارنا چاہیے۔ سر اور بالوں میں کنگھی کرے، اپنے سر اور چہرے کے بالوں کو حد سے زیادہ نہ بڑھائے ناخن کاٹنے چاہئیں، دانتوں کی صفائی کرنی چاہیے اور وقار اور ادب سے چلنا چاہیے۔

ایک دن حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پریشان بالوں والے شخص کو دیکھا تو فرمایا:

تمھیں کوئی چیز نہیں ملی تھی کہ بالوں کو سنوار لیتے؟[2]

عباد بن کثیر جو ایک ریاکار زاہد تھا اور کھردرا لباس پہنا کرتا تھا، ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام پر اعتراض کیا کہ:

آپ کے جد امجد ''حضرت رسول خداؐ اور امیر المومنینؑ''

تو کھردرا لباس پہنا کرتے تھے۔

تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

---

1. بحار الانوار، ج ۷۸، ص ۳۳۵
2. میزان الحکمۃ، ج ۱۰، ص ۹۲

وائے ہو تم پر! کیا تم نے قرآن مجید کی وہ آیت نہیں پڑھی جس میں خداوند عالم نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا ہے کہ:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ[1]

پیغمبرؐ ان لوگوں سے پوچھیے کہ خدا کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لیے قرار دی ہے اور رزق اور نعمتوں کو اس کے بندوں کے لیے کس نے حرام کیا ہے؟

وہ شخص اپنے اس بے موقع اعتراض پر نادم ہوا اور سر جھکا کر چلا گیا۔[2]

آیت:

خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ

''ہر سجدہ کرنے کے وقت زینت کر لیا کرو''

کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''ان زینتوں میں سے ایک زینت نماز کے وقت بالوں میں کنگھی کرنا ہے۔''

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام دانتوں کی صفائی کے بارے میں فرماتے ہیں:

---

1. سورۂ اعراف آیت ۳۲
2. فروع کافی، ج ۶، ص ۴۴۴

مِنْ اِخْلَاقِ الْاَنْبِيَاءِ السِّوَاكُ [1]

"مسواک کرنا اخلاق انبیاء میں شامل ہے۔"

حضرت علی علیہ السلام نے مناسب جوتا پہننے کے بارے میں فرمایا:

"اچھا جوتا پہننا، بدن کی حفاظت اور طہارت و نماز کے لیے مددگار ہونے کا ایک ذریعہ ہے۔" [2]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی گھر سے مسجد یا مسلمانوں کے اجتماع میں تشریف لے جانا چاہتے تھے تو آئینہ دیکھتے، ریش مبارک اور بالوں کو سنوارتے، لباس کو ٹھیک کرتے اور عطر لگایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ:

"خداوند عالم اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ جب اس کا کوئی بندہ اپنے دینی بھائیوں کی ملاقات کے لیے گھر سے باہر نکلے تو خود کو بنا سنوار کر باہر نکلے۔" [3]

لہٰذا اگر اس حساب سے دیکھا جائے تو پریشان حالت، آشفتگی، آلودگی اور بدنظمی دین اسلام کی مقدس نگاہوں میں نہایت ہی قابل مذمت اور موجب نفرت ہے اور رسول خداؐ کے ایک پیروکار مسلمان سے یہی توقع رکھی جانی چاہیے کہ وہ ہمیشہ بن سنور کر رہے گا خود کو معطر اور پاک و پاکیزہ رکھے گا۔

1. فروع کافی، ج ۶، ص ۴۸۹
2. فروع کافی، ج ۶، ص ۴۶۲
3. مکارم اخلاق، ص ۳۵

۲- نجی زندگی میں اس کی اہمیت:

اجتماعی امور اور دوسرے لوگوں کے ساتھ تعلقات قائم رکھنے کے لیے انسان کی کامیابی کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ وہ ایک مقرر و مرتب پروگرام کے تحت وقت سے صحیح فائدہ اٹھائے۔ چاہے اس پروگرام کا تعلق اس کے کاموں سے ہو، جیسے مطالعہ کرنے، کسی جگہ آنے جانے یا کسی سے ملاقات کے لیے جانے، بدنظمی اور بے ترتیبی سے وقت ضائع ہوتا ہے اور ترتیب و نظم وضبط سے انسانی کوششوں کا اچھا نتیجہ نکلتا ہے۔

ہاں امور زندگی اور کاروبار میں نظم وضبط کی اس قدر اہمیت ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی آخری وصیت میں جو بستر شہادت پر ارشاد فرمائی اس پر زور دیا اور حسنینؑ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

اُوْصِيكُمَا وَجَمِيعَ اَهْلِي وَوُلْدِي وَمَنْ بَلَغَهُ كِتَابِي بِتَقْوَى اللّٰهِ وَنَظْمِ اَمْرِكُمْ [1]

"میں تم دونوں کو اور تمام افراد خاندان کو اور اپنی تمام اولاد کو اور جن لوگوں تک میری تحریر پہنچے، سب کو خدا کے تقویٰ اور امور میں نظم وضبط کی وصیت کرتا ہوں۔"

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اپنے رات دن کے اوقات کو چار حصوں میں تقسیم کرو!

۱- ایک حصہ خدا کی عبادت اور اس کے ساتھ مناجات کے لیے۔
۲- ایک حصہ ذاتی کاموں اور ضروریات زندگی کے پورا کرنے کے

1. نہج البلاغہ فیض الاسلام، ص ۹۷۷

لیے۔

۳- ایک حصہ دوست و احباب اور رشتہ داروں کے ساتھ ملنے جلنے اور ملاقات کے لیے۔

۴- اور ایک حصہ آرام وتفریح اور گھر میں اہل خانہ کے ساتھ رہنے کے لیے۔[1]

۳-عہد و پیماں میں اس کی اہمیت:

ان ہی امور میں سے کہ جن میں سختی کے ساتھ نظم وضبط کی رعایت کرنا چاہیے عہد و پیماں اور اقرار ناموں کی پابندی ہے۔ مثلاً قرض دینے، قرض لینے اور دوسرے لین دین میں تحریری سند کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ بعد میں کسی قسم کی کوئی مشکل پیدا نہ ہونے پائے اور انکار کا راستہ بند اور اختلاف کی راہیں مسدود ہو جائیں، یہ عہد و پیماں اور لین دین کے بارے میں ایک طرح کا نظم وضبط ہے۔

قرآن کہتا ہے:

"اے ایمان لانے والو! جب تم ایک مقررہ مدت کے لیے قرضہ لیتے یا دیتے ہو تو اسے لکھ لیا کرو، اور یہ تحریر ایک عادل شخص تمھارے لیے لکھے۔ اور اگر تم سفر کی حالت میں ہو تو تمھیں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو اسے رہن کی صورت میں لے لیا کرو۔"[2]

---

۱ تحف العقول، ص ۳۸۱

۲ سورہ بقرہ آیت ۲۸۱

ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا[1]

"عہد کو پورا کرو کیونکہ عہد کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا۔"

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وعدہ کی ایفاء کو قیامت کے اوپر عقیدہ رکھنے سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَفِ اِذَا وَعَدَ[2]

"جو شخص خدا اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیے۔"

ایک واضح پیمان مقرر کرنے سے بہت سے اختلافات کا سدباب ہو سکتا ہے اور اس پر صحیح طریقہ سے عمل درآمد لوگوں کی محبت اور اعتماد حاصل کرنے کا موجب بن جاتا ہے، چنانچہ روایت ہے کہ ایک دن حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے دیکھا کہ آپؑ کے ملازمین میں ایک اجنبی شخص کام کر رہا ہے۔ جب آپؑ نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو بتایا گیا کہ "اسے اس لیے لے آئے ہیں تاکہ ہمارا ہاتھ بٹا سکے۔" امامؑ نے پوچھا کیا تم نے اس کی اجرت بھی طے کی تھی؟ کہا گیا کہ "نہیں" امامؑ سخت ناراض ہوئے اور ان کے اس عمل کو ناپسند فرماتے ہوئے کہا:

---

۱ سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۶

۲ کافی، ج ۲، ص ۳۶۴

"میں نے بارہا کہا ہے کہ جب تم کسی کو مزدوری کے لیے لاؤ تو پہلے اس سے اجرت طے کرو، ورنہ آخر میں تم اسے جس قدر بھی مزدوری دو۔ وہ خیال کرے گا کہ اسے حق سے کم ملا ہے، لیکن اگر طے کر لو اور آخر میں طے شدہ اجرت سے جتنا بھی زیادہ دو گے تو وہ خوش ہو جائے گا اور سمجھے گا کہ تم نے اس کے ساتھ محبت کی ہے۔"[1]

بات پر قائم رہنا اور وعدہ وفائی انبیاءؑ اور اولیاء خدا کا شیوہ ہے ان کے پیروکاروں کو اس سلسلے میں ان کی اقتدا کرنی چاہیے۔

۴- عبادات میں اس کی اہمیت:

عبادت میں بھی نظم و ضبط کا اہتمام کرنا چاہیے اور وہ یوں کہ ہر عبادت کو بروقت اور برموقع بجا لائیں۔ نماز کو اس کے اول وقت میں اور جماعت کے ساتھ ادا کریں۔ ماہ رمضان میں روزے رکھیں، اگر سفر یا بیماری کی وجہ سے کوئی روزہ قضا ہو جائے تو اس کی قضا کریں، خمس و زکوۃ ادا کریں اور عبادت میں افراط و تفریط سے اجتناب کریں۔

عبادت میں اعتدال کو ملحوظ رکھنا چاہیے کیونکہ اعتدال پسندی عبادت میں مفید ہے۔

عبادت اور مستحب امور میں افراط سے کام لینے سے بسا اوقات

۱۔ بحار الانوار، ج ۴۹، ص ۱۰۶

انسان اکتا جاتا ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات وہ اجتماعی سرگرمیوں سے محروم رہتا ہے بلکہ کبھی تو اس کا یہ عمل بجائے باعث ثواب کے باعث عذاب بن جاتا ہے جیسے دعا یا نوحہ خوانی یا کوئی اور مستحب عمل رات گئے تک لاؤڈ اسپیکر پر پڑھتا رہے، ظاہر ہے اس سے ہمسایوں یا بیماروں کو تکلیف ہوتی ہے۔

مستحب عبادت اس وقت مفید اور کارآمد ہوتی ہے جب وہ رضا و رغبت اور شوق و محبت کے ساتھ انجام دی جائے، اس مسلمان کی داستان مشہور ہے جس نے اپنے غیر مسلم ہمسائے کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی جب اس کا وہ ہمسایہ مسلمان ہو گیا تو وہ اسے مسجد لے گیا اور وہ صبح سے لے کر مغرب تک مسجد ہی میں نماز و دعائیں پڑھتا رہا، قرآن کی تلاوت کرتا رہا۔ غرض اسے صبح سے شام تک ان امور میں مصروف رکھا۔

چنانچہ جب وہ دوسرے دن اس کے پاس گیا کہ اسے عبادت کے لیے اپنے ہمراہ مسجد لے چلے تو اس نے ساتھ چلنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا: میرے یہاں بیوی بچے بھی ہیں ان کے اخراجات کے لیے بھی کچھ کرنا ہے مجھے ایسا دین قبول نہیں جاؤ اپنی راہ لو۔

۵- اخراجات میں اس کی اہمیت:

روٹی، کپڑے اور زندگی کے دوسرے اخراجات، جو کہ بیت المال یا دیگر اموال سے پورے ہوتے ہیں۔ ان میں اعتدال سے کام لینا چاہیے نہ کہ افراط سے کام لیا جائے اور نہ ہی بخل و مشکلات میں پڑنا چاہیے۔

اخراجات میں نظم و ضبط کا مطلب یہ ہے کہ آمد و خرچ میں ہر چیز کا

حساب رکھا جائے۔ پیداوار اور اخراجات میں توازن رکھا جائے۔ اخراجات میں اسراف اور فضول خرچی، بدنظمی ہے اور اس سے انسان مفلس اور نادار ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید فضول خرچی اور بے حساب خرچ کرنے کی مذمت کرتا ہے اور فضول خرچ انسان کو شیطان کا بھائی قرار دیتا ہے۔[1]

فردی اور نجی زندگی میں بھی اخراجات میں تعادل رکھنا چاہیے اسی طرح حکومت اور مسلمانوں کے بارے میں بھی میانہ روی اختیار کرنا چاہیے۔ معاشرہ میں وہی حکومت کامیاب ہوتی ہے کہ جس کے مالی منصوبے نظم وضبط پر مبنی ہوتے ہیں۔

اخراجات میں اعتدال یعنی بجلی، پانی، میوے، لباس اور کھانے پینے کی چیزوں کو بے مقصد خرچ کرنے سے اجتناب کرنا انسان کو بے نیاز اور معاشرہ کو خود کفیل بنا دیتا ہے۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام بیت المال سے خرچ کرنے کے بارے میں اپنے کارکنوں کو ہدایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قلم کی نوک کو باریک اور سطروں کے فاصلے کو کم کرو اضافی آداب و القاب کو حذف کرو، اپنے مطالب کو خلاصہ کے طور پر تحریر کیا کرو اور فضول خرچی سے دور رہو کہ مسلمانوں کا بیت المال اس قسم کے اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔"[2]

1. سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۷
2. بحار الانوار، ج ۴۱، ص ۱۰۵

۶۔ جنگ اور عسکری امور میں نظم وضبط کی اہمیت:

خاص طور پر جنگ، جنگی آپریشن، میدان وغا اور عسکری امور میں نظم و ضبط کو ملحوظ رکھنا خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔

واضح رہے جنگ میں مجاہدین کی کامیابی کا دارومدار اپنے کمانڈروں کی حکمت عملی اور جنگی تدابیر پر پختہ یقین اور راسخ عقیدہ کے بعد ان کی اطاعت اور عسکری امور کے نظم وضبط پر ہے۔

خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ[1]

"یقیناً خداوند عالم ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں یوں منظم طریقہ سے صف باندھ کر لڑتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوتی ہے۔"

جنگ کے دوران، حملہ کے وقت، پیچھے ہٹنے کے موقع پر اور آرام و استراحت کے وقت نظم و ضبط کا مظاہرہ فتح اور کامیابی کی علامت ہے۔ جب کہ گڑبڑ اور سرکشی اور بدنظمی بعض اوقات جیتی ہوئی جنگ کو شکست میں تبدیل کر دیتی ہے۔

حضرت رسول اکرمؐ حملہ کا حکم دینے سے پہلے تمام فوجیوں کی صفیں درست کرتے تھے ہر شخص کا فریضہ مقرر فرماتے تھے اور نافرمانی پر تنبیہ اور سرزنش فرماتے تھے۔[2]

1. سورہ صف آیت ۴
2. تاریخ پیامبر اسلامؐ مولف ڈاکٹر آیتی، ص ۲۳۹

جنگ میں کمانڈر کی اطاعت اور عسکری قوانین کی پابندی زبردست اہمیت اور حساس ذمہ داری کی حامل ہوتی ہے۔ کمانڈر کے احکام کا احترام، اپنے اپنے محاذ پر ڈٹے رہنا، خود رائی اور جذباتی طرز فکر سے اجتناب کامیابی کا ضامن ہوتا ہے۔

تاریخ میں بہت سے ایسے نمونے بھی ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بدنظمی بے ضابطگی اور قوانین کی خلاف ورزی کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگیں شکست میں تبدیل ہوگئیں اور دشمن کے غالب آجانے کا سبب بن گئیں۔ چنانچہ جنگ احد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ لوگوں کو عبداللہ ابن جبیر کی سرکردگی میں ایک درّے پر متعین فرمایا۔ جنگ کے شروع ہو جانے کے بعد سپاہ اسلام کی سرفروشانہ جنگ سے دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور لشکر اسلام آخری کامیابی کی حدود تک پہنچ گیا۔ دشمنان اسلام شکست کھا کر بھاگنے لگے، درّے پر متعین افراد نے کامیابی کی صورت دیکھ کر رسول خداؐ کے فرمان کو فراموش کر دیا اور اپنے مورچوں کو چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے لگے، یہ بدنظمی اور رسول خداؐ کے عسکری فرمان کی خلاف ورزی کی وجہ سے دشمن کے شکست خوردہ لشکر نے مسلمانوں کی غفلت سے فائدہ اٹھایا اور پہاڑ کے حساس درّے کو خالی پاکر سپاہ اسلام پر حملہ آور ہوگیا اور اس بدنظمی اور کمانڈر کے حکم کی خلاف ورزی کے سبب مسلمانوں کو زبردست شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور سنگین جانی نقصان اٹھانا پڑا۔[1]

[1] مزید تفصیل کے لیے کتاب فروغ ابدیت، ج ۲، ص ۳۶۶ کا مطالعہ کیا جائے۔

محاذ جنگ پر عسکری نظم وضبط کی پابندی نہایت ضروری ہے:

اسی لیے محاذ جنگ پر کسی ڈیوٹی پر متعین ہونے، کسی یونٹ میں منتقل ہونے، چھٹی پر جانے، کسی پروگرام میں فعالانہ شرکت غرض تمام امور میں ذمہ دار افسران کے احکام وآرا کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔

خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

> ''مومن وہ لوگ ہیں جو خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے اور جب کسی اہم اور جامع کام (جنگ) میں پیغمبر اکرمؐ کے ہمراہ ہوتے ہیں تو ان کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتے، اجازت حاصل کرنے والے ہی صحیح معنوں میں خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لا چکے ہیں پس جب بھی وہ اپنے بعض کاموں کے لیے آپؐ سے اجازت طلب کریں، تو آپؐ جسے چاہیں اجازت عطا فرمائیں۔[1]

اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ چھٹی پر جانا بھی پیغمبرؐ کی اجازت پر موقوف ہے، ہماری دعا ہے کہ راہ خدا میں مسلسل جدوجہد کرنے والے اور ''فی سبیل اللہ'' جہاد کرنے والے ایک محکم ومضبوط صف میں اور مستحکم نظم وضبط کے تحت متحد ومتفق ہو کر دشمنان حق اور پیروان شیطان پر غالب آجائیں۔ آمین

[1] سورہ نور آیت ٦٠

چوتھا سبق

۱- سچ اور جھوٹ

۲- سچ انبیاءؑ کے مقاصد میں سے ایک ہے

۳- جھوٹ کے بُرے اثرات

۴- جھوٹ کیوں بولا جاتا ہے

۵- جھوٹ کا علاج

سچ اور جھوٹ

ا- سچ اور جھوٹ:

سچ ایک نہایت بہترین اور قابل تعریف صفت ہے کہ جس سے مومن کو آراستہ ہونا چاہیے، راست گوئی، راست گفتاری، انسان کی عظیم شخصیت کی علامت ہے۔ جب کہ جھوٹ بولنا اس کے پست، ذلیل اور حقیر ہونے کی نشانی ہے۔

احادیث میں ''سچ'' اور ''جھوٹ'' کو کسی انسان کے پہچاننے کا معیار قرار دیا گیا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''کسی انسان کے اچھے بُرے ہونے کی پہچان اس کے رکوع اور سجود کو طول دینے سے نہیں ہوتی اور نہ ہی تم اس کے رکوع اور سجود کو طولانی ہونے کو دیکھو کیونکہ ممکن ہے ایسا کرنا اس کی عادت بن چکا ہو کہ جس کے چھوڑنے سے اسے وحشت ہوتی ہے بلکہ تم اس کے سچ بولنے اور

امانتوں کے ادا کرنے کو دیکھو۔''[1]

سچے انسان کا ظاہر پر سکون اور باطن مطمئن ہوتا ہے، جبکہ جھوٹا آدمی ہمیشہ پریشان اور ظاہری و باطنی اضطراب و تشویش میں مبتلا ہوتا ہے۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''کوئی شخص بھی اپنے دل میں کوئی راز نہیں چھپاتا، مگر اس کے چہرے کے رنگ سے اور بے ربط باتوں کے ذریعہ اس کی زبان سے ظاہر ہو جاتا ہے۔''[2]

ایک شخص بہت سا مال لے کر چند ساتھیوں کے ساتھ سفر پر گیا ہوا تھا، اس کے ساتھیوں نے اسے قتل کر کے اس کے مال پر قبضہ کر لیا۔ جب وہ واپس آئے تو کہنے لگے کہ وہ اثناء سفر میں فوت ہو گیا۔ انھوں نے آپس میں یہ طے کر لیا تھا کہ اگر کوئی ان سے اس کی موت کا سبب پوچھے تو سب یہی کہیں گے کہ وہ بیمار ہو گیا تھا اور اس میں فوت ہو گیا۔

اس شخص کے ورثاء نے حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں ذکر کیا۔ حضرت علیؑ نے تفتیش کے دوران ان سے دریافت فرمایا کہ تمھارے ساتھی کی موت کس دن اور کس وقت واقع ہوئی؟ اسے کس نے غسل دیا؟ کس نے کفن دیا؟ کس نے نماز جنازہ پڑھائی؟ ہر ایک سے بطور جداگانہ سوالات کیے اور ہر ایک نے ایک دوسرے کے برعکس جواب دیا۔

امام علیہ السلام نے تکبیر بلند کی اور تفتیش کو مکمل کر لیا۔ اس طرح سے ان

---

1. سفینۃ البحار، ج ۲، ص ۱۸
2. نہج البلاغہ حکمت ۴۵

کے جھوٹ کا پردہ فاش ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ ساتھیوں ہی نے اسے قتل کیا اور اس کے مال پر قبضہ کر لیا تھا۔[1]

۲- سچ انبیاءؑ کے مقاصد میں سے ایک ہے:

لوگوں کو سچ اور امانت کے راستوں پر چلانا اور جھوٹ اور خیانت سے باز رکھنا انبیاءِ الٰہی کے بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد رہا ہے۔ جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَبْعَثْ نَبِيًّا اِلَّا بِصِدْقِ الْحَدِيْثِ وَ اَدَاءِ الْاَمَانَةِ[2]

''خداوند عالم نے کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر وہ نیک اور پسندیدہ اخلاق کے ساتھ ایک تو سچ بولنا اور دوسرے امانتوں کی ادائیگی ہے۔''

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا يَجِدُ عَبْدٌ حَقِيْقَةَ الْاِيْمَانِ حَتّٰى يَدَعَ الْكِذْبَ جِدَّهٗ وَهَزْلَهٗ[3]

''کوئی بندہ ایمان کی حقیقت کو اس وقت تک نہیں پا سکتا، جب تک کہ وہ جھوٹ بولنا نہ چھوڑ دے یہ سچ کا جھوٹ ہو اور یہ سچا جھوٹ ہو یا راق کا جھوٹ۔''

۱ قضاوتہای حضرت علی
۲ سفینۃ البحار، ج ۲، ص ۱۸
۳ سفینۃ البحار، ج ۲، ص ۴۷۳

۳- جھوٹ کے اثرات:

جھوٹ، انسان کی شرافت اور اس کی شخصیت کے منافی ہے۔ یہ انسان کو ذلیل کر دیتا ہے۔ جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔

اَلْكِذْبُ وَالْخِيَانَةُ لَيْسَا مِنْ اَخْلَاقِ الْكِرَامِ[1]

''جھوٹ اور خیانت شریف لوگوں کا شیوہ نہیں ہے۔''

جھوٹ، ایمان کو برباد کر دیتا ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

اِنَّ الْكِذْبَ هُوَ خَرَابُ الْاِيْمَانِ[2]

''جھوٹ ایمان کی تباہی کا موجب ہے۔''

۳- جھوٹ دوسرے گناہوں کا سبب بنتا ہے جبکہ سچائی بہت سے گناہوں میں رکاوٹ بنتی ہے جھوٹ بولنے والا کسی گناہ کے ارتکاب سے نہیں ہچکتا اور ہر قسم کی قید و بند کو توڑ ڈالتا ہے اور جھوٹ ترک کرنے سے ان تمام گناہوں کا انکار کر دیتا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

''خداوند عالم نے تمام برائیوں کو ایک جگہ قرار دیا ہے اور اس کی چابی شراب ہے لیکن جھوٹ شراب سے بھی بدتر ہے۔''[3]

۱ شرح غرر الحکم، ج ۷، ص ۳۴۳
۲ اصول کافی (مترجم)، ج ۲، ص ۳۳۹
۳ سفینۃ البحار، ج ۲، ص ۴۷۳

جھوٹ کفر سے قریب ہے۔ ایک شخص نے رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا کہ ''جہنمی کون سے جرم کی وجہ سے زیادہ جہنم میں جائیں گے؟''

حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

''جھوٹ کی وجہ سے، کیونکہ جھوٹ انسان کو فسق و فجور اور ہتک حرمت کی طرف لے جاتا ہے، فسق و فجور کفر کی طرف اور کفر جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔''[1]

جھوٹ بولنے والے پر کوئی اعتماد نہیں کرتا، جھوٹ بولنے سے انسان کی شخصیت کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے اور دروغ گوئی اس کے بے آبرو ہو جانے کا سبب بن جاتی ہے جھوٹے چرواہے کی داستان آپ نے کتابوں میں پڑھی ہوگی کہ جس نے جھوٹ شیر آیا، شیر آیا چلا کر اپنا اعتماد کھو دیا تھا۔ چنانچہ ایک دن واقعی شیر کا شکار ہو گیا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

''جو شخص جھوٹا مشہور ہو جائے لوگوں کا اعتماد اس سے اٹھ جاتا ہے۔''[2]

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''جو جس قدر زیادہ جھوٹا ہو گا، اسی قدر زیادہ ناقابل اعتماد ہوگا۔''[3]

---

1. مستدرک الوسائل، ج ۲، ص ۱۰۱
2. شرح غرر الحکم، ج ۷، ص ۴۲۵
3. اصول کافی (مترجم)، ج ۴، ص ۳۸

''دروغ گورا حافظ نباشد'' والی ضرب المثل صحیح ہے۔ کیونکہ وہ ہمیشہ حقیقت کے برخلاف بات کرتا ہے۔ متعدد نشستوں میں مختلف قسم کے جھوٹ بولتا ہے یہ جھوٹ دوسرے کے برعکس ہوتے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

''نسیان اور بھول چوک ایک ایسی چیز ہے جو خدا جھوٹوں کے دامن میں ڈال دیتا ہے۔''[1]

۴- جھوٹ کیوں بولا جاتا ہے؟

ہر ایک گناہ اور برا کام ان اسباب و علل کی وجہ سے سرزد ہوتا ہے جو کہ انسان کے اندر ہی اندر پروان چڑھتے رہتے ہیں۔ لہٰذا گناہوں کا مقابلہ کر کے ان اسباب و علل کا خاتمہ کر دینا چاہیے۔ جھوٹ ایسی بری عادت کے کئی اسباب بتائے گئے ہیں جنھیں ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ ذکر کر رہے ہیں۔

(1) احساس کمتری:

بعض لوگ چونکہ اپنے اندر اپنی اہمیت یا کوئی خاص ہنر نہیں پاتے، لہٰذا کچھ جھوٹی اور بے سروپا باتوں کو جوڑ کر لوگوں کے سامنے اپنی اس کمی کی تلافی کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے آپ کو معاشرہ کی ایک اعلیٰ شخصیت ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول خداؐ فرماتے ہیں:

''جھوٹا شخص، احساس کمتری کی وجہ سے جھوٹ بولتا

---

1. اصول کافی (مترجم)، ج ۴، ص ۳۸

ہے۔"

(۲) سزا اور جرمانہ سے بچنے کے لیے:

کچھ لوگ سزا کے خوف سے جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں اور اس طرح وہ یا تو سرے ہی سے جرم کا انکار کر دیتے ہیں یا پھر اپنے جرم کی غلط توجیہہ اور تاویل کرتے ہیں اور اپنے جرم کا اقرار کرنے پر قطعاً آمادہ نہیں ہوتے اور جرم کی سزا بھگتنے یا جرمانہ ادا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

(۳) منافقت اور دوغلی پالیسی:

منافق اور دوغلے لوگ جھوٹ کے پردے میں خوشامدانہ اور چاپلوسانہ رویہ اپنا کر ایسی حرکتوں کا ارتکاب کرتے ہیں کہ جس سے وہ معاشرے کے افراد کی توجہ اپنی طرف مبذول کر کے اپنے ناپاک عزائم کو پورا کر لیتے ہیں۔

خداوند عالم نے سورۃ بقرہ کے اوائل میں اس طریقہ کار کو منافقین کی صفت قرار دیا ہے اور فرمایا ہے۔

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ [1]

"جب منافقین، مومنین سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان دار ہیں اور جب اپنے شیطان صفت لوگوں سے تنہائی میں ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو

[1] سورہ بقرہ آیت ۱۴

تمھارے ساتھ ہیں ہم تو (مومنین کے ساتھ) ٹھٹھا مذاق کرتے ہیں۔"

(۴) ایمان کا فقدان:

قرآن مجید اور روایات سے پتہ چلتا ہے کہ دروغ گوئی کی ایک بنیادی وجہ ایمان کا کلی طور پر فقدان یا ایمان کی کمزوری ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ [1]

"جھوٹ تو صرف وہی لوگ گھڑتے ہیں جو خدا کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے، اور یہی لوگ ہی جھوٹے ہیں۔"

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

كَثْرَةُ الْكِذْبِ تُفْسِدُ الدِّيْنَ [2]

"جھوٹ کی کثرت دین و ایمان کو برباد کر دیتی ہے۔"

۵- جھوٹ کا علاج:

اجمالی طور پر جھوٹ کے اسباب کو بیان کر دیا گیا ہے، اختصار کے ساتھ اس کا علاج بھی قلم بند کر رہے ہیں۔

[1] سورہ نحل آیت ۱۰۵

[2] شرح غرر الحکم، ج ۷، ص ۳۳۳

١- احساس کمتری کو دور کیا جائے۔

٢- شجاعت و جوان مردی کی صفت کو تقویت دی جائے تا کہ بے خوف و خطر اور بغیر جھوٹ کا سہارا لیے حقائق اور واقعات کو بے کم و کاست بیان کر کے سزا و جرمانہ کو خندہ پیشانی سے قبول کر لیا جائے۔

٣- دوغلی پالیسی اور منافقت کا علاج کیا جائے جو کہ جھوٹ کی اصل وجہ ہے۔

۴- اپنے اندر ایمان اور تقویٰ کے درجات کو بلند سے بلند تر کیا جائے کیونکہ ایمان اور تقویٰ کا درجہ جس قدر بلند تر ہوگا۔ جھوٹ اور بری عادتوں سے اسی قدر جان چھوٹ جائے گی۔

۵- قرآن مجید کی ان آیات اور احادیث معصومین کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کیا جائے اور ان میں خوب غور و خوض کیا جائے جو جھوٹ کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں اور اسے ہلاکت اور بدبختی کا موجب قرار دیتی ہیں۔

۶- اس بات کو پیش نظر رکھا جائے کہ جھوٹے انسان کی قدر و قیمت معاشرے میں گر جاتی ہے کوئی شخص اس کی باتوں پر اعتماد نہیں کرتا اور نہ ہی اس کا احترام کرتا ہے۔

۷- ایسی آیات اور روایات میں خوب غور و فکر کیا جائے جو صدق و سچائی کی مدح کرتی ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا:

"غور کرو کہ!

حضرت علی علیہ السلام کو کن وجوہات کی بنا پر پیغمبر اکرمؐ سے اس قدر قرب اور مقام و منزلت حاصل ہوئی تم بھی وہی کام کرو، یقیناً علی علیہ السلام سچائی اور ایمان داری کی بنا پر آنحضرتؐ سے اس قدر قریب ہوتے تھے۔"[1]

---

١ جامع السعادات، ج ٢، ص ٣٣٢

پانچواں اور چھٹا سبق

☆ مقدمہ

۱- ناروا گفتگو اور بدکلامی

۲- بدکلامی کا انجام

۳- معصوم پیشواؤں کا کردار

۴- بدکلامی کا علاج

مقدمہ

۱- ناروا گفتگو اور بدکلامی:

زبان، انسانی جسم کا ایک چھوٹا سا جز ہے۔ اگر اس چھوٹے سے جز کی تربیت نہ کی جائے تو بڑے بڑے گناہوں کی مرتکب ہو جائے۔ علماء علم اخلاق نے زبان کے تقریباً بیس گناہ تحریر کیے ہیں۔

حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

صَلَاحُ الْإِنْسَانِ فِي حَبْسِ اللِّسَانِ [1]

"انسان کی بہتری اس کی زبان کی حفاظت میں ہے۔"

زبان انسان کی شخصیت اور اس کے کمال کی آئینہ دار ہے۔ زیرک اور ذی شعور انسان لوگوں کو چند باتوں کے ذریعہ پہچان لیتے ہیں۔ بقول شیخ سعدی:

[1] میزان الحکمۃ، ج ۸، ص ۴۲۹

تا مرد سخن نگفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

"جہاں تک انسان بات نہ کرے اس کے عیب اور ہنر چھپے رہتے ہیں۔"

اچھی بات اور مفید گفتگو متکلم کی پاک طینتی اور باطنی پاکیزگی کی علامت ہوتی ہے، ناشائستہ اور بے ہودہ گفتگو متکلم کے آلودہ ضمیر ہونے کی نشانی ہے۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔

سُنَّةُ اللِّئَامِ قُبْحُ الْكَلَامِ

"کمینہ اور پست فطرت لوگوں کا شیوہ بدکلامی ہوتا ہے۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے بدزبان شخص سے تعلقات توڑ لیے:

ایک شخص اکثر اوقات حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں رہتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ حضرتؑ کے ساتھ ہمیشہ رہنے کی بنا پر خاصی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ چنانچہ ایک دن وہ آپؑ کے ساتھ جوتا فروشوں کے بازار سے گزر رہا تھا اور اس کا غلام بھی اس کے پیچھے چل رہا تھا اس شخص نے پیچھے مڑ کر غلام کو دیکھا تو وہ اسے نظر نہیں آیا چند قدم چل کر اس نے پھر اسے دیکھا پھر بھی نظر نہ آیا۔ تیسری مرتبہ اسے غلام کی حرکت پر غصہ آ گیا کہ وہ اس سے اس قدر پیچھے کیوں رہ گیا ہے۔ غلام کو پیچھے رہنے کی جرأت کیسے ہوئی۔ جب چوتھی مرتبہ اس نے مڑ کر دیکھا تو وہ نظر آ گیا وہ شخص اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور غلام کو ماں کی گالی دے کر کہا کہ...... تو کہاں تھا؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس کی بدزبانی دیکھ کر اپنا ہاتھ زور سے پیشانی پر مارا اور فرمایا: ”سبحان اللہ! تم اپنے غلام کو گالی دے رہے ہو اور اس کی ماں کو برائی سے یاد کر رہے ہو؟ میں تو سمجھتا تھا کہ تم متقی انسان ہو، اب معلوم ہوا کہ تمھارے اندر تقویٰ نہیں ہے؟“

وہ شخص اپنی اس بدزبانی کی توجیہ کرتے ہوئے عرض کرنے لگا۔ فرزند رسولؐ اس غلام کی ماں سندھی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ وہ مسلمان نہیں حضرتؑ نے فرمایا کہ: اس کی ماں کافر تھی، سو تھی، ہر قوم اور ملت کے اپنے قوانین اور اپنے مذہب کے طریقے ہوتے ہیں جن کے تحت وہ ازدواجی امور انجام دیتے ہیں اس لحاظ سے ان کا یہ عمل زنا نہیں ہوتا اور ان کی اولاد، ”ولد الزنا“ نہیں کہلاتی۔ اس کے بعد فرمایا:

اب تم مجھ سے دور ہو جاؤ پھر اس شخص کو کسی نے آپؑ کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا۔[1]

۲- بدکلامی کا انجام:

اب ہم مختصر طور پر بدزبانی کے برے انجام کے بارے میں کچھ باتیں عرض کرتے ہیں۔

۱- بدزبانی انسان کو خدا کے نزدیک بے قدر و قیمت بنا دیتی ہے اس کے اور خدا کے درمیان جدائی ڈال دیتی ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْمُتَفَحِّشَ[2]

[1] اصول کافی مترجم، ج ۴، ص ۱۵
[2] میزان الحکمۃ، ج ۸، ص ۱۵

”خداوند عالم گالی گلوچ بکنے والے کو دشمن رکھتا ہے۔“

۲- بدزبان شخص کی دعا قبول نہیں ہوتی، امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

”بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو تین سال تک اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعا مانگا کرتا تھا کہ خدا اسے اولاد نرینہ سے نواز دے لیکن جب اس کی دعا قبول نہ ہوئی تو وہ بہت ہی افسردہ خاطر ہوا۔ آخرکار اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص اسے کہہ رہا ہے کہ تم تین سال سے خدا کو بری اور آلودہ زبان سے پکار رہے ہو اور پھر اس بات کی توقع رکھتے ہو کہ خدا تمھاری آرزؤں کو پورا کرے؟ جاؤ پہلے زبان کو ان آلودگیوں سے پاک کرو پھر دعا مانگو تاکہ خدا کے نزدیک ہو جاؤ اور وہ تمھاری دعاؤں کو قبول کرے۔“

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ:

اس شخص نے انسان کی راہنمائی پر عمل کیا اور دعا مانگی خدا نے اسے فرزند عطا کیا؟[1]

۳- بدزبان شخص پر جنت حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

”خداوند عالم نے بہشت کو ہر اس بدزبان اور بے ہودہ

[1] اصول کافی مترجم، ج ۴، ص ۱۶

بکنے والے شخص پر حرام کر دیا ہے جسے اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ کیا بک رہا ہے اور لوگ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔''[1]

۴- بدزبانی، نفاق کی علامت ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

''گالی گلوچ، بدزبانی اور بے ہودہ گوئی نفاق کی ایک علامت ہے۔''[2]

۵- بدزبان شخص کا شمار بدترین لوگوں میں ہوتا ہے رسول اکرمؐ فرماتے ہیں:

''خدا کی بدترین مخلوق میں سے ایک بدزبان شخص بھی ہے، جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس کے ساتھ میل جول کو پسند نہیں کرتے۔''[3]

۶- بدزبانی کی وجہ سے انسان کی زندگی سے برکت اٹھ جاتی ہے اور وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

امام معصوم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

مَنْ فَحَشَ عَلٰی اَخِیْهِ الْمُسْلِمِ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْهُ بَرَکَةَ رِزْقِهٖ وَ وَکَلَهٗ اِلٰی نَفْسِهٖ وَاَفْسَدَ عَلَیْهِ مَعِیْشَتَهٗ[4]

۱- میزان الحکمۃ، ج ۸، ص ۱۴۳
۲- اصول کافی مترجم، ج ۳، ص ۱۷
۳- اصول کافی، ج ۳، ص ۱۷
۴- وسائل الشیعہ، ج ۱۱، ص ۳۲۸

''جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو گالی دیتا ہے۔ خداوند تعالیٰ اس کے رزق و روزی سے برکت اٹھا دیتا ہے اور اسے اس کے نفس کے سپرد کر دیتا ہے اور اس کی زندگی کو تباہ کر دیتا ہے۔''

۳- معصوم پیشواؤں کا کردار:

مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے کردار کو اپنی رفتار کے لیے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ اطہار علیہم السلام کو اپنا نمونہ قرار دے۔ محمدؐ و آل محمدؐ نے اپنی تمام عمر میں نہ صرف کبھی کسی کو ناسزا نہیں کہا بلکہ اپنے بزرگوارانہ طرز زندگی سے نازیبا اور نامناسب گفتگو کرنے والوں کو شرمندہ کیا اور انھیں نیک راہ کی ہدایت کی۔ معصومینؑ کے کردار کی ایک جھلک دکھانے کے لیے نمونے کے طور پر دو واقعات کو سپرد قلم کیا جاتا ہے۔

۱- حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

کسی یہودی کا رسول خداؐ پر قرض تھا۔ اس کی مقررہ مدت جب ختم ہو گئی تو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا رخ کیا، مدینہ منورہ کی ایک گلی میں اس کی آنحضرتؐ سے ملاقات ہوگئی تو اس نے قرض کا مطالبہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فی الحال میرے پاس رقم نہیں ہے جس سے تمھارا قرضہ ادا کیا جا سکے۔

یہودی نے کہا:

جب تک آپؐ میرا قرضہ واپس نہیں کریں گے میں آپؐ کو نہیں چھوڑوں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی

قسم کی ناراضگی یا غصے کا اظہار کیے بغیر اس کے ساتھ وہیں بیٹھ گئے۔ نماز ظہر، عصر، مغرب اور عشاء وہیں ادا کی۔ حتیٰ کہ دوسرے دن کی صبح کی نماز بھی وہیں پر ادا کی، اصحاب نے خواہش کی کہ اسے ڈانٹ ڈپٹ کر بھگا دیا جائے لیکن!

رسالت مآبؐ نے فرمایا:

"خدا نے مجھے اس لیے نہیں بھیجا کہ میں کسی پر ظلم وستم کروں خواہ کوئی یہودی ہو یا غیر یہودی۔"

غرض ظہر کی نماز کا وقت قریب آگیا کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ انجام کار کیا ہوگا؟ کہ اچانک یہودی اپنی جگہ سے اٹھا اور مؤدبانہ انداز میں حضورؐ کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ

پھر اس نے عرض کیا: یارسول اللہؐ!

یہ جو مشکلات میں نے آپؐ کے سامنے کھڑی کی تھیں یہ اس لیے نہیں تھیں کہ میں آپؐ سے اس ناچیز رقم کو واپس لوں اور نہ ہی آپؐ کو دکھ تکلیف دینے کے لیے ایسا کہا تھا بلکہ میں آپؐ کو آزمانا چاہتا تھا کہ آپؐ واقعی خدا کے رسول ہیں یا نہیں۔ کیونکہ میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ پیغمبر خاتم الانبیاءؑ نہ تو سخت مزاج ہوگا نہ ہی تندخو و

بدزبان اور بے ہودہ کلام کرنے والا ہوگا اور ہرگز کسی کو گالی نہیں دے گا۔[1]

۲۔ حضرت امام حسن علیہ السلام ایک دن گھوڑے پر سوار ہو کر ایک کوچہ سے گزر رہے تھے کہ ایک شامی سے آپؑ کی ملاقات ہوئی۔ وہ شخص معاویہ کے غلط پروپیگنڈہ کی بنا پر دشمن اہل بیتؑ بن چکا تھا اس نے دیکھتے ہی بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا آپؑ خاموشی کے ساتھ اس کی باتیں سنتے رہے۔ جب وہ ختم کر چکا تو امام حسنؑ نے خندہ پیشانی کے ساتھ مسکرا کر فرمایا:

"معلوم ہوتا ہے تم مسافر ہو اور ہمارے دشمنوں کے دھوکے میں آکر ایسا کہہ رہے ہو اگر تمھیں اپنے گھر سے نکال دیا گیا ہے تو ہم تمھیں گھر دیتے ہیں اگر بھوکے ہو تو ہم تمھیں کھانا کھلاتے ہیں اگر لباس کی ضرورت ہے تو لباس دیتے ہیں۔ آؤ ہمارے ساتھ ہمارے گھر چلو تاکہ وہاں پر تمھاری خاطر تواضع کی جائے۔"

شامی آپؑ کی یہ باتیں سن کر رونے لگا اور کہنے لگا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ ہی رسول خداؐ کے حقیقی جانشین اور خدا کی زمین میں خدا کے خلیفہ ہیں۔ اب تک آپؑ اور آپؑ کے جد امجد علی ابن ابی طالبؑ میرے نزدیک دنیا کے بدترین انسان تھے لیکن اب خدا کی مخلوق میں سے محبوب ترین انسان ہیں۔

پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور حضرت امام حسن علیہ السلام کے ہمراہ آپؑ کے

---

[1] بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۲۶

دولت کدہ پر گیا اور ایک عرصے تک آپؑ کا مہمان رہا اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کا سچا اور حقیقی محب بن گیا۔[1]

حسن کلام اور خوش گفتاری انبیاء اور اولیاء کا شیوہ ہے۔ اور دین خدا کی تبلیغ اور لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دینے کا ایک اہم عامل ہے۔ جب اللہ تعالی نے اپنے دو انبیاء موسی علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو انھیں تاکید کر دی کہ اس کے ساتھ نرمی سے بات کرنا ہوسکتا ہے وہ ہوش میں آجائے اور خدا کی عبادت کرنے لگے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ○ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى[2]

''تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے نرمی کے ساتھ گفتگو کرو ہوسکتا ہے کہ وہ ذکر خدا کرنے لگے اور اس سے ڈرے۔''

۴۔ بدزبانی کا علاج

اس سلسلے میں چند نکات کو بیان کر دینا ضروری ہے۔

(الف) انبیاء اور آئمہ علیہم السلام انسانی روح کے طبیب ہوتے ہیں چونکہ اخلاقی رذائل اور بری صفات انسانی روح اور جان کے لیے مرض ہیں۔ البتہ ہمیں چاہیے کہ ہم ان کے فرامین کو گوش دل سے سنیں اور اپنے روحانی درد کا علاج کریں۔

1. بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۳۴۴
2. سورہ طہٰ آیت ۴۳-۴۴

حضرت امیر المومنین علیہ السلام بدزبان سے بچنے کے لیے تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اِيَّاكَ وَمَا يَسْتَهْجَنُ مِنَ الْكَلَامِ فَاِنَّهٗ يَحْبِسُ عَلَيْكَ اللِّئَامَ وَيُنَفِّرُ عَنْكَ الْكِرَامَ[1]

''بدزبانی اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرو کیونکہ بدزبانی کی وجہ سے پست اور ذلیل لوگ تمھارے گرد جمع ہو جائیں گے اور شریف اور معزز لوگ تم سے دور بھاگیں گے۔''

یہ اس امام کا کلام ہے جس نے کبھی بھی کوئی نازیبا بات منہ سے نہیں نکالی اس فرمان پر اگر غور کیا جائے تو بدزبانی کا انجام انسان کے ذہن میں مجسم ہو کر آجاتا ہے یعنی اگر انسان بدزبان بن جائے اور زبان پر کنٹرول نہ کرے تو اس کا یہی نتیجہ نکلے گا کہ اچھے اور صالح لوگوں کا رابطہ اس سے منقطع ہو جائے گا اور لا ابالی اور خدا سے بے خبر لوگوں کا اس سے تعلق استوار ہو جائے گا اور وہ اس کے ساتھی بن جائیں گے اور یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ بدکار لوگوں کی ہم نشینی کا انجام اچھا نہیں ہوتا اور انسان اس قسم کے لوگوں کی دوستی و ہم نشینی سے اس وقت پشیمان ہوتا ہے جب ندامت کوئی فائدہ نہیں دیتی۔

قرآن مجید ایسے لوگوں کے بارے میں خبردار کر رہا ہے جو برے لوگوں کے ساتھ اپنی نشست و برخاست رکھتے ہیں اور ان کی دوستی نے

1. میزان الحکمۃ، ج ۸، ص ۴۳۶

انھیں اس طرح تباہ و برباد کر دیا کہ پشیمان ہو کر اپنی تباہی و بربادی کا ماتم کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا[1]

"جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا اے کاش! میں نے پیغمبرؐ کا راستہ اختیار کر لیا ہوتا، اے کاش فلاں کو اپنا دوست نہ بناتا۔"

لہٰذا اگر ہم اس قسم کے انجام سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ نازیبا اور ناروا باتوں اور بدزبانی سے اپنے آپ کو بچائیں تاکہ اچھے لوگ ہمارے ساتھ دوستی کریں۔

(ب) قرآن مجید نیک و شائستہ گفتگو کے بارے میں فرماتا ہے:

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ[2]

"پاک و پاکیزہ کلام ہی اس کی طرف جاتا ہے۔"

بنابریں اگر انسان نیک اور نرم کلام زبان پر جاری کرے تو خداوند عالم بھی ایسی باتوں کو سنتا ہے اور ناپسندیدہ اور بیہودہ باتوں کو خدا سننے کا روادار نہیں ہے۔

اور ایسی باتیں کرنے والے کو خدا دوست نہیں رکھتا، کتنی بری بات

[1] سورہ فرقان آیت ۲۷-۲۸

[2] سورہ فاطر آیت ۱۰

ہے کہ مومن جس زبان سے اللہ کہتا ہے، نماز پڑھتا ہے اور قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اسی زبان سے فحش، رکیک، نازیبا اور ناروا الفاظ ادا کرے!!

(ج) سکوت اور خاموشی بھی زبان پر کنٹرول کرنے کا ایک ذریعہ ہے جہاں پر حق بات کے بیان کرنے کا موقع نہیں ہوتا وہاں زبان کو بند رکھنا کس قدر اچھا لگتا ہے! کیونکہ زیادہ باتیں کرنا اور زبان کو بے لگام چھوڑ دینا ناشائستہ گفتگو کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

اِيَّاكَ وَكَثْرَةَ الْكَلَامِ فَاِنَّهُ يُكْثِرُ الزَّلَلَ وَيُوْرِثُ الْمَلَلَ[1]

"زیادہ باتیں کرنے سے پرہیز کرو، کیونکہ اس سے لغزش زیادہ ہوتی ہے اور سننے والے کے لیے نفرت کا موجب بن جاتی ہیں۔"

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

اَلْكَلَامُ كَالدَّوَاءِ قَلِيْلُهُ يَنْفَعُ وَكَثِيْرُهُ قَاتِلٌ[2]

"گفتگو دواء کی مانند ہے جس کا کم شفا بخش اور کثرت موت ہے۔"

[1] میزان الحکمۃ، ج ۸، ص ۴۳۹

[2] میزان الحکمۃ، ج ۸، ص ۴۴۴

ساتواں سبق

۱- غیبت اور تہمت کے معنی

۲- قرآن و حدیث میں غیبت کی مذمت

۳- مومن کی غیبت سے بچنا چاہیے

۴- غیبت کے آلات

۵- غیبت کے اسباب

۶- غیبت کا کفارہ

۷- قرآن و حدیث میں تہمت کی مذمت

تہمت اور غیبت

۱- غیبت اور تہمت کے معنیٰ:

غیبت اور تہمت گناہ کبیرہ اور اخلاقی لحاظ سے بری عادتیں ہیں مومن کو ان کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے۔ ''غیبت'' دوسروں کے بارے میں ایسی بات کرنا کہ اگر وہ سُن لیں تو تکلیف پہنچے۔ ''تہمت'' دوسروں کی طرف کسی ایسے گناہ یا عیب کی نسبت دینا جو ان میں نہ ہو۔

روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی شخص سے پوچھا کہ جانتے ہو کہ ''غیبت'' کیا ہوتی ہے؟ اس نے جواب دیا: خدا اور اس کے رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ تو حضورؐ نے فرمایا:

ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ

''تم اپنے بھائی کا ایسی چیز کے ساتھ ذکر کرو جو اسے پسند نہیں۔''

اس نے پوچھا:

جو بات میرے مومن بھائی میں پائی جاتی ہے اگر میں اس کا ذکر کروں تو کیا وہ بھی آپؐ کی نظر میں غیبت ہے؟

فرمایا:

وَاِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَطُ اِغْتَبْتَهٗ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِ فَقَدْ بَهَتَّهٗ[1]

''جو اس میں ہے اس کا ذکر غیبت ہے اور جو اس میں نہیں ہے اسے بیان کرنا تہمت ہے۔''

۲- قرآن و حدیث میں غیبت کی مذمت:

قرآن مجید نے غیبت کی سخت مذمت کی ہے اور اسے مردہ بھائی کے گوشت کھانے کے برابر قرار دیا ہے اور اس سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے

وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ[2]

''تم میں سے بعض، بعض کی غیبت نہ کریں آیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے اس سے تو تم نفرت کرتے ہو۔''

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ:

---

1. جامع السعادات، ج ۲، ص ۳۰۳ ''چاپ بیروت''
2. سورہ حجرات آیت ۱۲

اَلْغِیْبَۃُ اَسْرَعُ فِیْ دِیْنِ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ مِنَ الْاَکِلَۃِ فِیْ جَوْفِہٖ[۱]

''مسلمان کے دین (کی تباہی) کے لیے غیبت اس کے باطن میں پیدا ہونے والی بیماری سے زیادہ مہلک ہوتی ہے۔''

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا تُعَوِّدْ نَفْسَکَ الْغِیْبَۃَ مُعْتَادُھَا عَظِیْمُ الْجُرْمِ[۲]

''خود کو غیبت کا عادی نہ بناؤ کیونکہ غیبت کے عادی شخص کے لیے بہت بڑی سزا ہے۔''

خداوند متعال کی عبادت و اطاعت جہاں بذات خود اچھی اور نیک چیز ہے اور اپنے دامن میں آخرت کا ثواب بھی لیے ہوئے ہے، وہاں دوسرے نیک کاموں کی انجام دہی کے لیے بھی راہ ہموار کرتی ہے اور اس کے برعکس گناہ اور معصیت خداوندی جہاں بذات خود ایک جرم ہے اور اپنے ساتھ آخرت کا عذاب بھی رکھتی ہے، وہاں بہت سے دوسرے نیک کاموں کی تباہی کا موجب بھی بن جاتی ہے چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

اَلْغِیْبَۃُ تَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ[۳]

---

۱ اصول کافی، ج ۲، ص ۵۹ ۲ شرح غرر الحکم، ج ۶، ص ۲۹۳

۳ مصباح الشریعہ، ص ۲۷۶

''غیبت گناہوں کو ایسے ہی کھا جاتی ہے جیسے آگ لکڑی کو۔''

۳- مومن کی غیبت سے پرہیز کیا جائے:

مومنین کے درمیان برابری کا رشتہ اس بات کا متقاضی ہے کہ ایک مومن اپنے بھائی کی نہ صرف جان و مال اور عزت و آبرو کو نقصان نہ پہنچائے بلکہ دوسرے لوگوں کی دست درازی سے بھی اس کا دفاع کرے اور اپنے دینی بھائی کی حمایت کرے۔

اسی بناء پر کسی مومن کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے مومن بھائی کی عزت و آبرو کی پامالی کو دیکھتا رہے اگر کوئی ناسمجھ انسان اس کی غیبت کے لیے زبان کھولے تو اسے اس سے باز رکھنا چاہیے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''آگاہ رہو کہ جو شخص کسی محفل میں اپنے مومن بھائی کی غیبت سنے، اسے چاہیے کہ وہ اس پر احسان کرتے ہوئے غیبت کرنے والے کو اس کام سے روکے تو اس طرح کرنے سے خداوند عالم اس کی پانچ ہزار برائیاں دونوں جہانوں میں دور کرے گا اور اگر قدرت رکھنے کے باوجود ایسا نہ کرے تو غیبت کرنے والے گناہوں میں سے ستر گناہ اور سزا اس کے حصے میں آتے ہیں۔''[۱]

---

۱ وسائل الشیعہ، ج ۸، ص ۶

۴- غیبت کے آلات (غیبت کا سرچشمہ):

صرف زبان کی نوک ہی غیبت نہیں کرتی کہ جس سے سننے والے کو روحانی دکھ ہوتا ہو بلکہ ہر قسم کا اشارہ، کنایہ، سر اور ہاتھ کی حرکتیں بھی غیبت شمار ہوتی ہیں جن سے کسی کی غیبت کا ارادہ کیا جائے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ:

"ایک دن ایک عورت ہمارے گھر آئی جب وہ واپس جا رہی تھی میں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ اس کا چھوٹا قد ہے۔"

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تم نے اس کی غیبت کی ہے۔[1]

۵- غیبت کے اسباب:

غیبت ایک قسم کی روحانی بیماری ہے جس میں غیبت کرنے والا مختلف اسباب وعوامل کی وجہ سے مبتلا ہو جاتا ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک حدیث میں اس کے دس عوامل ذکر فرمائے ہیں ملاحظہ ہوں:

واصل الغيبة متنوع بعشرة انواع، شفاء غيظ ومساعدة قوم وتهمته وتصديق بلاخبر كشفه وسوء ظن وحسد وسخرية وتعجب وتبرم وتزين[2]

---

[1] جامع السعادات، ج ۲، ص ۳۰۳ [2] مصباح الشریعہ، ص ۲۰۶

غیبت کے سرزد ہونے کے دس اسباب ہیں۔

۱- غصہ اور غیظ وغضب جو انسان کے اندر موجود ہوتا ہے وہ غیبت کے ذریعہ اسے ٹھنڈا کر کے خود کو تسکین پہنچاتا ہے۔

۲- غیبت کرنے والوں کے گروہ کے ساتھ تعاون اور ہم کاری کرتا ہے۔

۳- کسی کو متہم کرنے کے لیے غیبت کا سہارا لیتا ہے۔

۴- کسی کی بات کی تحقیق اور چھان بین کیے بغیر تصدیق کرتا ہے اسے سچا ثابت کرنے کے لیے غیبت کرتا ہے۔

۵- دوسروں پر بدگمانی اسے غیبت پر اکساتی ہے۔

۶- حسد اسے غیبت پر بھڑکاتا ہے۔

۷- کسی کا مذاق اڑانے کے لیے اس کی غیبت کرتا ہے۔

۸- اس کا تعجب کرنا بھی غیبت ہے۔

۹- کسی سے تنگ دل ہو جاتا ہے تو اس کی غیبت کرتا ہے۔

۱۰- اپنی بات کو بنا سنوار کر پیش کرنے کے لیے کسی کی غیبت کرتا ہے۔

۶- غیبت کا کفارہ:

چونکہ غیبت خدا کے حرام کردہ امور میں سے ایک ہے لہذا غیبت کرنا خدا کے حرام کردہ امر کا ارتکاب ہے اور پھر اللہ کو غضب ناک کرنے کے زمرہ میں بھی آتی ہے اور چونکہ انسان کی آبرو کو برباد کرتی ہے لہذا حق الناس پر تجاوز میں بھی شمار ہوتی ہے اسی لیے غیبت کرنے والے کو چاہیے کہ پہلے تو وہ خدا کی بارگاہ میں توبہ کرے اور اپنے اس گناہ کی معافی مانگے۔ تاکہ خداوند تعالی اس کے اس گناہ کو بخش دے اور اس کی توبہ کو

قبول کرے۔ پھر وہ اس انسان کے حق کا تدارک کرے جس کی اس نے غیبت کی ہے اگر وہ زندہ ہے اور اس تک رسائی ممکن ہے اگر اس کے رنجیدہ خاطر یا غصے ہونے کا موجب نہیں بنتا تو اس سے معافی مانگے۔ اور ہر طریقے سے اسے راضی کرنے کی کوشش کرے اور اگر وہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے یا زندہ ہے لیکن اس کی رسائی مشکل ہے تو خدا سے اس کے لیے گناہوں کی بخشش کی دعا کرے، اور اگر اس تک رسائی ممکن ہے لیکن وہ غیبت سن کر ناراض یا رنجیدہ خاطر ہو جاتا ہے یا فتنہ کھڑا ہونے کا باعث ہوتا ہے تو بھی اس کے لیے استغفار اور گناہوں کی بخشش کی دعا کرے ایک حدیث میں ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ: غیبت کا کیا کفارہ ہے؟ تو آنحضرتؐ نے فرمایا:

تَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِمَنْ اِغْتَبْتَهٗ كُلَّمَا ذَكَرْتَهٗ[1]

"یعنی جب بھی تم اس شخص کو یاد کرو (جس کی غیبت کی ہے) تو اس کے لیے خدا سے استغفار کرو۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

فَاِنْ اِغْتَبْتَ فَبَلَغَ الْمُغْتَابَ فَاسْتَحِلَّ مِنْهُ وَاِنْ لَمْ تَبْلُغْهُ وَلَمْ تَلْحَقْهُ فَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ لَهٗ[2]

"اگر تم نے کسی کی غیبت کی ہے اور وہ اس کے کان تک بھی جا پہنچی ہے تو تم اس سے معافی مانگ کر بخشش

1. اصول کافی، ج ۴، ص ۶۱
2. مصباح الشریعہ، ص ۲۰۵

طلب کرو اور اگر اس تک نہیں پہنچی تو اس کے لیے خدا سے دعائے مغفرت کرو۔"

۷۔ قرآن و حدیث میں تہمت کی مذمت:

جو برائیاں ہم نے غیبت کے لیے ذکر کی ہیں وہ سب تہمت کو بھی شامل ہیں۔ علاوہ از این تہمت لگانے والا جانتا ہے کہ جو متہم کی طرف نسبت دے رہا ہے وہ جھوٹی اور حقیقت کے خلاف ہے۔

قرآن مجید نے تہمت کو "اثم مبین" (کھلا گناہ) کے نام سے یاد کیا ہے اور خبردار کیا ہے کہ تہمت لگانے والا اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ جو کام کر رہا ہے وہ ناجائز اور گناہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا[1]

"جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو ان کے ناکردہ گناہوں کی وجہ سے تکلیف پہنچاتے ہیں وہ بہتان اور کھلم کھلا گناہ کے متحمل ہوتے ہیں۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے تہمت کو دین و ایمان کے تباہ کرنے والے مادہ کا نام دیا ہے فرماتے ہیں:

اِذَا اتَّهَمَ الْمُؤْمِنُ اَخَاهُ انْمَاثَ الْاِيْمَانُ مِنْ قَلْبِهٖ كَمَا يَنْمَاثُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ[2]

1. سورہ احزاب آیت ۵۸
2. اصول کافی، ج ۴، ص ۶۶

''جب مومن اپنے کسی بھائی پر تہمت لگاتا ہے تو اس کے دل سے ایمان نیست و نابود ہو جاتا ہے جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔''

حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

مَنْ بَهَتَ مُؤْمِناً اَوْمُؤْمِنَةً اَوْ قَالَ فِيْهِ مَا لَيْسَ فِيْهِ اَقَامَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى تَلٍّ مِنْ نَارٍ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ فِيْهِ[1]

''جو شخص کسی مومن مرد یا عورت پر تہمت لگاتا ہے اس کے بارے میں کوئی ایسی بات کرتا ہے جو اس میں نہیں ہے تو خداوند عالم اسے بروز قیامت آگ کے ٹیلے پر اس وقت تک کھڑا رکھے گا جب تک وہ اس سے عہدہ برآ نہیں ہو جائے گا (اپنی باتوں کا ثبوت پیش نہیں کرے گا) اور یہ بات واضح ہے کہ وہ اس کا ثبوت تو نہیں پیش کر سکے گا لہٰذا عذاب میں ہمیشہ رہے گا۔''

دعا ہے کہ خداوند عالم ہمیں ان دونوں گناہوں سے محفوظ رکھے۔

''آمین''

۱۔ بحار الانوار، ج ۷۵، ص ۱۹۴

آٹھواں اور نواں سبق

اخوت اور اتحاد

۱۔ مقدمہ
۲۔ اخوت ایک خدائی نعمت
۳۔ دینی بھائیوں کے حقوق
۴۔ بہترین بھائی
۵۔ اتحاد ایک قرآنی حکم
۶۔ فرقہ بندی کے خطرات
۷۔ تفرقہ پردازی، مفسرین کا شیوہ
۸۔ فرقہ بندی، عذاب الٰہی کی ایک قسم

اخوت اور اتحاد

۱- مقدمہ:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے فوراً بعد اور حکومت اسلامی کی تشکیل کے آغاز ہی میں خداوند عالم نے مومنین کو آپس میں بھائی بھائی کے نام سے یاد فرمایا ارشاد ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ [1]

"یقیناً تمام مومنین آپس میں بھائی ہیں، لہٰذا تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کروا دیا کرو۔"

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسی آیت کی بنیاد پر اپنے صحابہ کرام کے درمیان اخوت و بھائی چارگی قائم کی اور حضرت علی علیہ السلام کو اپنا بھائی بنایا۔[2] بھائی چارے کی یہ رسم محض لفظی کارروائی نہیں تھی بلکہ اس

[1] سورہ حجرات آیت ۱۰

[2] سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۵۰۵

کے عملی انجام کو پیش نظر رکھا گیا تھا۔ اس طرح کے رشتے سے مومنین کا ایک دوسرے پر حق پیدا ہو گیا۔ وہ مشکلات میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے تھے کسی مومن کی غیر حاضری کی صورت میں اس کا مومن بھائی اس کے گھریلو امور اور مال کی نگہداشت کرتا تھا۔ اس قسم کا رشتہ دنیا کے کسی اور دین میں نہیں ملتا اور یہ خصوصیت صرف اور صرف اسلام کو ہی حاصل ہے۔

اسی طرح مسلمانان عالم خدائی محبت کے رشتہ کے تحت ایک دوسرے سے منسلک ہیں اور ان کے دل ایک دوسرے سے اس طرح نزدیک ہیں گویا سب کا دل ایک ہی ہے اور صرف خدا ہی کی خوشنودی کے لیے دھڑکتا ہے۔

مسلمانوں کے درمیان تفرقہ یا جدائی ایک بے معنی سی بات ہے ایک دوسرے کی خوشی اور غمی میں شریک ہیں۔ بقول شاعر:

مومنان بی حد ولی ایمان یکی ۔۔۔ جسمشان معدود ولیکن جان یکی
جان حیوانی ندارد اتحاد ۔۔۔ تو مجو این اتحاد از روح باد
جان گرگان و سگان از ہم جداست ۔۔۔ متحد جانہای شیران خداست

مومنین تو حد و حساب سے باہر ہیں لیکن ان سب کا ایمان ایک ہے، ان کے جسم زیادہ لیکن جان ایک ہے، جانوروں کی جانوں میں اتحاد نہیں ہوتا، تمہیں یہ اتحاد ہوا کی روح میں تلاش نہیں کرنا چاہیے، بھیڑیوں اور کتوں کی جانیں ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں، اللہ کے شیروں کی جانیں متحد اور ایک ہیں۔

۲- اخوت، ایک خدائی نعمت:

دلوں کا ایک دوسرے سے جوڑ، دائمی اور اٹوٹ ہے، خدا کی یہ عظیم نعمت اخوت اسلامی کے پرتو میں حاصل ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس بات کی تاکید فرماتا ہے کہ میری اس نعمت کو ہمیشہ یاد رکھیں۔ اس کی قدر جانیں اور اس کا شکر بجالائیں۔ ارشاد فرماتا ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا[1]

"خدا کی نعمت کو یاد کرو جو اس نے تمھیں عطا کی ہے کیونکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پس خدا نے تمھارے دلوں کو الفت کے رشتے میں منسلک کر دیا اور اس کی نعمت کی وجہ سے تم ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔"

مومن کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ خدا کی بے انتہا نعمتوں کا شکر ادا کرے اور ہر ایک نعمت کا شکر ایک مخصوص شکر ہوتا ہے۔ اخوت اور بھائی چارے کی نعمت کا شکر یہ ہے کہ اسلام کے اس حیات پرور حکم کے تحت اسلامی احکام پر عمل کیا جائے اور اپنے دینی بھائیوں کے حقوق کا احترام کیا جائے، ان حقوق میں سے چند کی طرف ہم ذیل میں اشارہ کرتے ہیں۔

[1] سورہ آل عمران آیت ۱۰۳

۳- دینی بھائیوں کے حقوق:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مومن کے حق کی ادائیگی کو ایک بہت بڑی عبادت سے تعبیر فرماتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے:

مَا عُبِدَ اللّٰهُ بِشَيْءٍ اَفْضَلَ مِنْ اَدَاءِ حَقِّ الْمُؤْمِنِ[1]

"مومن کے حق کی ادائیگی سے افضل خدا کی کوئی اور عبادت نہیں ہے۔"

ایک اور روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف سے مومن کے سات حق بتلائے گئے ہیں:

۱- جو کچھ تم اپنے لیے پسند کرتے ہو، اپنے مومن بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند کرو، اور جو اپنے لیے پسند نہیں کرتے اس کے لیے بھی پسند نہ کرو۔

۲- جو بات اس کی ناراضگی کا سبب ہے اس سے پرہیز کرو، اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرو اور اس کی باتوں پر عمل کرو۔

۳- اپنی جان، مال، ہاتھ، پاؤں اور زبان کے ساتھ اس کی مدد کرو۔

۴- اس کی آنکھ کی مانند بنو اور اس کی راہنمائی کرو۔

۵- ایسا نہ ہوا کہ تم تو سیر و سیراب رہو اور وہ بھوکا اور پیاسا رہ جائے تم کپڑے پہنو اور وہ ننگا رہے۔

۶- اگر تمھارے بھائی کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں تو کسی کو اس کے پاس بھیجو جو اس کے کپڑے دھوئے، اس کے لیے کھانا تیار کرے اور

[1] اصول کافی مترجم، ج ۳، ص ۲۴۷

اس کی زندگی کو سنوارے۔

۷- اس کی قسم کا اعتبار کرو، اس کی دعوت کو قبول کرو، اس کی بیماری میں عیادت کرو اس کے جنازے میں شرکت کرو، اگر اسے کوئی ضرورت درپیش ہو تو اس کے اظہار سے پہلے اسے پورا کرو اگر تم نے ایسا کر دیا تو یقین کرو کہ تم نے اپنی دوستی کو مضبوط اور مستحکم کر دیا۔[1]

مومن کے حقوق میں مندرجہ ذیل امور کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔

الف- **نصیحت اور خیر خواہی:** حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

یجب للمومن علی المومن ان یناصحه[2]

''مومن پر واجب ہے کہ وہ دوسرے مومن کے لیے خیر خواہ ہو۔''

ب- **مہربانی اور احترام:** حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ

مَا فِي اُمَّتِيْ عَبْدٌ لَطَفَ اَخَاهُ فِي اللّٰهِ بِشَيْءٍ مِنْ لُطْفٍ اَخْدَمَهُ اللّٰهُ مِنْ خُدَّامِ الْجَنَّةِ[3]

''میری امت میں کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جو خدا کی رضا کی خاطر اپنے بھائی پر مہربانی کرے مگر یہ کہ خداوند عالم بہشت کے خدمت گاروں میں سے کچھ خدمت گار اس کے لیے بھیج دیتا ہے۔''

---

۱ اصول کافی (مترجم)، ج ۳، ص ۲۳۶
۲ اصول کافی (مترجم)، ج ۳، ص ۲۹۶
۳ اصول کافی (مترجم)، ج ۳، ص ۲۹۳

ج- **حاجت براری:** حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ خداوند عالم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ:

''میرے بندوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو ''حسنہ'' یعنی نیکی کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتے ہیں اور میں انھیں بہشت کا حاکم بناؤں گا، موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، خداوندا! وہ حسنہ، یعنی نیکی کیا ہے؟ خداوند تعالیٰ نے فرمایا: کسی مومن کا اپنے مومن بھائی کے لیے اس کی حاجت براری کے لیے چل پڑنا خواہ وہ حاجت پوری ہو یا نہ ہو۔[1]

د- **خوش کرنا:** حضرت رسالت مآبؐ فرماتے ہیں:

اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِدْخَالُ السُّرُوْرِ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ[2]

''یقیناً خدا کے نزدیک بہترین عمل، مومنین کو مسرور کرنا ہے۔''

۴- بہترین بھائی:

ہم یہاں امیر المومنین علی علیہ السلام کے فرمان کی روشنی میں ایک بہترین بھائی کی چند صفات کو بیان کر رہے ہیں۔

۱- **خَيْرُ اِخْوَانِكَ مَنْ دَلَّكَ عَلٰى هُدًى**

---

۱ اصول کافی (مترجم)، ج ۳، ص ۲۸۱
۲ اصول کافی (مترجم)، ج ۳، ص ۲۸۱

وَاَكْسَبَكَ تُقًى وَ صَدَّكَ عَنْ اِتِّبَاعِ هُوًى[1]

"تمھارا بہترین بھائی وہ ہے جو تمھیں ہدایت اور راہ راست کی راہنمائی کرے، تمھاری پرہیز گاری میں اضافہ کرے اور تمھیں خواہشات نفسانی کی پیروی سے باز رکھے۔"

۲۔ خَيْرُ اِخْوَانِكَ مَنْ دَعَاكَ اِلٰى صِدْقِ الْمَقَالِ بِصِدْقِ مَقَالِهٖ وَنَدَبَكَ اِلٰى اَفْضَلِ الْاَعْمَالِ بِحُسْنِ اَعْمَالِهٖ[2]

"تمھارا بہترین بھائی وہ ہے جو اپنی سچی باتوں کے ذریعہ تمھیں سچ بولنے کی دعوت دے اور اپنے اچھے کردار کے ذریعہ تمھیں نیک کاموں کی طرف پکارے۔"

۳۔ خَيْرُ الْاِخْوَانِ مَنْ كَانَتْ فِي اللّٰهِ مَوَدَّتُهٗ[3]

"بہترین بھائی (اور دوست) وہ ہے جس کی دوستی خدا کے لیے ہو۔"

۵- اتحاد، ایک قرآنی حکم:

اتحاد و اتفاق میں برادری کا راز مضمر ہے، جب اسلامی معاشرہ کے

۱ شرح غرر الحکم، ج ۷، ص ۸
۲ شرح غرر الحکم، ج ۷، ص ۹
۳ شرح غرر الحکم، ج ۷، ص ۹

تمام افراد آپس میں برادری اور اخوت کا مظاہرہ کریں گے تو ان کے درمیان بھی وسیع پیمانے پر اتحاد اور ہم آہنگی پیدا ہوگی۔

عزت و وقار اور سربلندی اور سرفرازی کا جامہ ایسے معاشرہ کے لیے زیبا ہے جس کے افراد کے دل اور افکار ایک ہوں، تفرقہ اور جدائی سے پرہیز کرتے ہوں، آپس میں مہربان ہوں اور سینوں سے کینوں اور کدورتوں کو اکھاڑ پھینکا ہو۔

اتحاد اور اتفاق ایسی چیز ہے جس کے بارے میں قرآن مجید نے بڑی تاکید کی ہے، ارشاد ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا[1]

"سب (مل کر) خدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور ایک دوسرے سے جدائی اختیار نہ کرو۔"

پھر فرماتا ہے:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ[2]

"تم (مسلمان) ہدایت کی روشن آیات اور نشانیوں کے آجانے کے بعد تفرقہ اور اختلاف کی راہوں کو اختیار نہ کرو۔"

۱ سورہ آل عمران آیت ۱۰۳
۲ سورہ آل عمران آیت ۱۰۵

۶- فرقہ بندی کے خطرات:

مسلمانوں کا ایک دوسرے کے خلاف فرقہ بندی اور باہمی اختلاف کے بہت سے نقصانات ہیں، جن میں سے چند یہاں بیان کیے جاتے ہیں۔

۱- صراط مستقیم سے ہٹ جانا، جب رشتہ وحدت ٹوٹ جاتا ہے تو انسان کو شرک کی طرف کھینچ کر لے جانے کے لیے شیطان کو آسانی ہو جاتی ہے، اور انسانی تخلیق کا جو اصل مقصد ہے یعنی خدا کی عبادت اور توحید کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنا، اس سے ہٹ کر وہ طاغوت کی اطاعت کرنے لگتا ہے، اس سلسلے میں قرآن مجید فرماتا ہے:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [1]

''اور یہ میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تم اس کی پیروی کرو اور دوسری راہوں کی پیروی نہ کرو کہ تمھیں اس کی راہ سے متفرق کر دیں گی، خداوند تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے شاید تم پرہیزگار بن جاؤ۔''

۲- عظمت رخصت ہو جاتی ہے۔ عظمت و اقتدار کا راز وحدت اور اتحاد میں مضمر ہے جب کہ اس کے برعکس ضعف و ناتوانی اختلاف و انتشار

[1] سورہ انعام آیت ۱۵۳

کا نتیجہ ہوتی ہے چنانچہ قرآن مجید مسلمانوں کو باہمی اختلاف سے باز رکھنے کے ساتھ اس کے برے انجام سے بھی خبردار کر رہا ہے۔ ارشاد ہے:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ [1]

''خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ اس طرح تم سست ہو جاؤ گے اور تمھاری عظمت کی روح تم سے رخصت ہو جائے گی۔''

۳- ذلت ـــــ جو ملت، وحدت کی حامل ہوتی ہے وہ دوسری طاقتوں کی یلغار سے محفوظ رہتی ہے اور کسی کو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ لیکن اگر اتحاد کا دامن چھوڑ دے تو معاشرہ کی عزت و عظمت اور حشمت و شوکت خاک میں مل جاتی ہے اور وہ اغیار کی یلغار اور یورش کا تختہ مشق بن جاتا ہے۔ تاریخ ہمارے اس دعوے کی گواہ ہے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نہج البلاغہ کے ایک خطبہ میں اس چیز کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''اب ذرا، اسمٰعیلؑ کی اولاد، اسحاقؑ کے فرزندوں اور یعقوبؑ کے بیٹوں کے حالات سے عبرت و نصیحت حاصل کرو، (اقوام و ملل کے) حالات کس قدر ملتے جلتے اور طور طریقے کتنے یکساں ہیں، ان کے منتشر اور

[1] سورہ انفال آیت ۴۶

پراگندہ ہو جانے کی صورت میں جو واقعات رونما ہوئے، ان میں غور کرو کہ جب کسریٰ (شاہان عجم) اور قیصر (سلاطین روم) ان پر حکمران تھے، وہ انھیں اطراف عالم کے سبزہ زاروں، عراق کے دریاؤں اور دنیا کی شادابیوں سے خاردار جھاڑیوں، ہواؤں کے بے روک گذر گاہوں اور معیشت کی دشواریوں کی طرف دھکیل دیتے تھے اور آخر انھیں فقیر و نادار اور زخمی پیٹھ والے اونٹوں کا چرواہا اور بالوں کی جھونپڑیوں کا باشندہ بنا کر چھوڑ دیتے تھے ان کے گھر بار دنیا سے بڑھ کر خستہ و خراب اور ان کے ٹھکانے خشک سالیوں سے تباہ حال تھے نہ ان کی کوئی آواز تھی جس کے پروبال کا سہارا لیں نہ انس و محبت کی چھاؤں تھی جس کے بل بوتے پر بھروسہ کریں، ان کے حالات پراگندہ، ہاتھ الگ الگ تھے، کثرت و جمعیت بٹی ہوئی تھی، جانگداز، مصیبتوں اور جہالت کی تہ بہ تہ تہوں میں پڑے ہوئے تھے اور وہ یوں کہ لڑکیاں زندہ درگور تھیں (گھر گھر) مورتی کی پوجا ہوتی تھی۔ رشتے ناتے توڑے جا چکے تھے اور لوٹ کھسوٹ کی گرم بازاری تھی۔"[1]

بقول مولانا روم!

---

۱ نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۲ (خطبہ قاصعہ)

گفت پیغمبرؐ کہ اندر ساق عرش — منشی نور این چنین بنوشتہ نقش

ذلت اولاد آدم بی خلاف — زاختلاف است اختلاف است اختلاف

حضرت پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ عرش کے ستون پر نور کے کاتب نے یہ لکھ دیا ہے کہ بنی آدم کی ذلت کے اس راز میں کسی کو اختلاف نہیں ہے اور وہ اختلاف، اختلاف اور صرف اختلاف ہے۔

۷-تفرقہ پردازی مفسدوں کا شیوہ:

شیر وشکر اور اتحاد کی دولت سے مالا مال معاشرے کو منتشر اور پراگندہ کرنا ایسے مفسد سامراجی عناصر کا شیوہ ہے جس کے دل و دماغ میں عالمی سطح پر لوٹ مار کرنے کا سودہ سمایا ہوا ہے جو کہ اقوام عالم کو اپنا محکوم بنانے کی فکر میں ہے، چونکہ کسی قوم پر فتح پانا اور اسے زیر کرنا پہلے ہی مرحلہ میں ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا مرحلے وار اپنے مذموم مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے ان کے درمیان فرقہ واریت کا بیج بو دیتے ہیں پھر آہستہ آہستہ ان کے جان اور مال پر ڈاکے ڈالنا شروع کر دیتے ہیں اور اس طرح ان پر مسلط ہوجاتے ہیں، فرعون، ہمارے اس دعوے کی روشن دلیل ہے۔ جس کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ[1]

---

۱ سورہ قصص آیت ۴

"بے شک فرعون نے زمین میں بہت سر اٹھایا تھا اور اس نے وہاں کے رہنے والوں کو کئی گروہوں میں بانٹ دیا تھا ان میں سے ایک گروہ کو عاجز اور کمزور سمجھ لیا تھا اور ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو (بیٹیوں کو) زندہ چھوڑ دیتا تھا بے شک وہ بھی مفسدین میں سے تھا۔"

اس حقیقت کے پیش نظر، مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ بیداری اور ہوشیاری کا ثبوت دیں اور اپنی باگ ڈور تفرقہ پرداز اور مفسدوں کے ہاتھوں میں نہ دیں۔

۸- فرقہ بندی خدا کا ایک عذاب ہے:

قرآن مجید، ایسے لوگوں کو مختلف قسم کے عذابوں سے ڈراتا ہے، جو خدائی قوانین سے روگردانی کرتے ہیں، ان مختلف عذابوں میں سے ایک "فرقہ بندی" ہے ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰٓ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ [1]

"اے رسولؐ! تم کہہ دو وہی (خدا) اس پر اچھی طرح

۱۔ سورہ انعام آیت ۶۵

قادر ہے کہ تم پر تمھارے سر کے اوپر سے عذاب نازل کرے یا تمھارے پاؤں کے نیچے سے یا تمھیں مختلف فرقوں میں تقسیم کر دے اور تم میں سے بعض کو بعض کے عذاب کا مزہ چکھا دے ذرا دیکھو کہ ہم کس کس طرح اپنی آیات کو تبدیل کر کے بیان کرتے ہیں تا کہ یہ لوگ سمجھ جائیں۔"

جی ہاں! جس طرح ارضی اور سماوی مصیبتیں اور بلائیں گناہ گار قوموں کو نیست و نابود کر دیتی ہیں، اسی طرح فرقہ بندی بھی معاشروں کی سرداری اور سعادت و خوش بختی کو تہس نہس کر دیتی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ مسلمانان عالم باہم اتحاد اور اتفاق کر کے ایک امت بن جائیں گے اور خداوند کریم و رحیم کے فضل و کرم سے اپنی عظمت رفتہ کو پالیں گے، مثل مشہور ہے "آرے بہ اتفاق، جہاں می تواں گرفت" جی ہاں! اتفاق کی بدولت کائنات کو مسخر کیا جا سکتا ہے۔

دسواں اور گیارہواں سبق

۱۔ والدین کے حقوق
۲۔ معصومینؑ کے کلام کی روشنی میں
۳۔ اویس قرنی کا کردار، سبق آموز
۴۔ باپ کا احترام امام زمانہ کا فرمان
۵۔ والدین کے لیے اولاد کا فریضہ
۶۔ مرنے کے بعد یاد رکھنا
۷۔ والدین سے نیک سلوک کا انجام
۸۔ خدا کا فرمان یا والدین کی خواہش کی تکمیل

والدین کے حقوق

جو حقوق انسان پر واجب ہیں ان میں سے ایک والدین کے ساتھ نیک سلوک روا رکھنا بھی واجب ہے۔ خواہ وہ زندہ ہوں یا مر چکے ہوں اچھے ہوں یا برے، والدین کا احترام اور ان کی شرعی ضروریات کا پورا کرنا اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ خدا نے قرآن مجید میں چھ مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے حتیٰ کہ بعض مقامات پر تو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے نمونہ کے طور پر قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیتیں ملاحظہ فرمائیں۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا[۱]

"اور تیرے پروردگار نے قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیکی

۱ سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۳

کرو۔"

پھر ان کے ساتھ نیکی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

(۱) اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ

"اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہاری زندگی ہی میں بوڑھے ہو جائیں تو (ان کی خدمت گزاری سے تھک کر) انھیں اف تک نہ کہو۔"

(۲) وَلَا تَنْهَرْهُمَا

"انھیں جھڑکو (اور ستاؤ) نہیں۔"

(۳) وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا

"ان سے نرمی اور مہربانی کی باتیں کرو۔"

(۴) وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ

"اور ان کے سامنے خاکساری سے شانے جھکائے رکھو۔"

(۵) وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا

"اور ان کے حق میں دعا کرو اور کہو بار الہٰا ان دونوں پر رحم فرما، جس طرح کہ انھوں نے بچپن میں میری تربیت کی ہے۔"

اب جبکہ ہم والدین کے ساتھ نیک سلوک کی اہمیت سے واقف ہو

چکے ہیں تو بہتر معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی ان دو نعمتوں کو اچھی طرح پہچانیں تاکہ ہم ان کی بہتر خدمت کے لیے اچھی طرح کمر بستہ ہو کر صحیح معنوں میں اپنے فریضے کو ادا کر سکیں۔ اس بارے میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے ارشادات ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔

تمھاری ماں کا تم پر یہ حق ہے کہ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس نے تمھیں ایسی جگہ رکھا اور تمھیں اپنے ساتھ اٹھائے پھرتی رہی جہاں پر کوئی دوسرا کسی کو نہیں اٹھاتا۔ اس نے تمھیں اپنے دل کے میوے سے ایسی چیز تمھیں کھلائی ہے جو کسی کو کوئی نہیں کھلاتا۔ اس نے اپنے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان حتی کہ اپنے بدن کی جلد اور تمام اعضاء کے ساتھ بڑی خوشی اور خندہ پیشانی کے ساتھ تمھاری نگہداشت کی اور اپنے حمل کے دوران تمام ناخوشگوار باتوں، درد و غم، رنج والم اور سختیوں کو برداشت کیا۔ یہاں تک کہ قدرت خدا نے تجھے اس سے جدا کر کے دنیا میں بھیج دیا۔

آگاہ ہو جاؤ کہ تمھارے باپ کا تم پر یہ حق ہے کہ وہ تمھاری اصل اور جڑ ہے اور تم اس کی شاخ ہو۔ اگر وہ نہ ہوتا تو تم بھی نہ ہوتے تم اپنے اندر جو نعمتیں دیکھ رہے ہو وہ سب اس کے وجود کی برکت سے ہیں لہٰذا خدا کا شکر کرتے ہوئے اپنے باپ کا شکریہ بھی ادا کرو اور اس کی عزت و تکریم بھی کرو۔[1]

اس جملے میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے والدین کی اہمیت اور ان کی قدر و قیمت کو بیان فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی ہمیں بھی ان کی قدر

۱ تحف العقول، ص ۱۸۹، رسالہ الحقوق، امام سجادؑ

دانی اور ان کا شکریہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

علاوہ ازیں ہمیں باور کرایا ہے کہ اگر ہم اپنی ساری زندگی ان کی خدمت کرتے رہیں پھر بھی ہم ان کی خدمات کے ہزارویں حصے کا بدلہ بھی نہیں چکا سکتے۔

۲۔ معصومینؑ کے کلام کی روشنی میں:

ہم ایک بار پھر معصومین علیہم السلام کے ارشادات کو پیش کرتے ہیں تاکہ اس اہم فریضے کی ادائیگی میں وہ ہمارے راہنما قرار پائیں۔

(الف) ایک شخص حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے نصیحت کی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا

وَالِدَيْكَ فَاَطِعْهُمَا وَبَرَّهُمَا حَيَّيْنِ كَانَا اَوْ مَيِّتَيْنِ[1]

"تم اپنے والدین کی اطاعت کرو اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرو خواہ وہ زندہ ہوں یا مر چکے ہوں۔"

(ب) منصور بن حازم کہتے ہیں کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کس عمل کی زیادہ قدر و قیمت ہے؟

آپ نے فرمایا:

اَلصَّلَاةُ لِوَقْتِهَا وَبِرُّ الْوَالِدَيْنِ وَالْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ[2]

۱ اصول کافی، ج ۲، ص ۱۲۶، مطبوعہ اسلامیہ (غیر مترجم)

۲ ایضاً، ص ۱۲۷

"اول وقت میں نماز کی ادائیگی، والدین کے ساتھ نیکی
اور راہ خدا میں جہاد کی۔"

(ج) ایک شخص نے رسول خداؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں اپنے وطن اور علاقے اور والدین سے جدا ہو کر آپؐ کی خدمت میں مسلمان ہونے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں اور جس وقت میں رخت سفر باندھ رہا تھا میرے والدین میری جدائی کے صدمہ سے رو رہے تھے۔

رسول خداؐ نے فرمایا:

تم واپس چلے جاؤ پہلے ماں باپ کو راضی کرو پھر ہمارے پاس آؤ، یہ سن کر اس نے آپؐ کے فرمان پر عمل کیا۔[1]

(د) رسول خداؐ فرماتے ہیں:

رِضَى الرَّبِّ فِي رِضَى الْوَالِدَيْنِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدَيْنِ [2]

"رب کی رضا والدین کی رضا مندی میں ہے اور خالق کی ناراضگی والدین کی ناراضگی میں ہے۔"

(ھ) رسول خداؐ سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے اپنے ایک شہید دوست کے انجام کا سوال کیا تو خدا نے فرمایا کہ وہ جہنم میں ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ کیا تو نے شہداء سے بہشت کا وعدہ نہیں فرمایا۔ ندا آئی کیوں نہیں؟ لیکن وہ اپنے والدین کو ہمیشہ ستایا

۱، ۲۔ مستدرک الوسائل، ج ۲، ص ۶۲۷

کرتا تھا اور میں والدین کی نافرمانی سے کوئی بھی عمل قبول نہیں کرتا۔[1]

(و) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِنَّ الْعَبْدَ لَيَكُونُ بَارًّا لِوَالِدَيْهِ فِي حَيَاتِهِمْ ثُمَّ يَمُوتَانِ فَلَا يَقْضِي عَنْهُمَا الدَّيْنَ وَلَا يَسْتَغْفِرُ لَهُمَا فَيَكْتُبُهُ اللهُ عَاقًّا [2]

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بندہ اپنے والدین کی زندگی میں ان کے ساتھ نیکی کرتا ہے لیکن جب وہ مر جاتے ہیں تو وہ نہ ان کے قرضے ادا کرتا ہے اور نہ ہی خدا سے ان کے گناہوں کی بخشش طلب کرتا ہے تو ایسی صورت میں خدا اسے والدین کا نافرمان لکھ دیتا ہے۔

۳- اویس قرنیؒ کا کردار سبق آموز:

حضرت اویس قرنیؒ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک سچے عاشق اور حقیقی پیروکار تھے جن کا کام ساربانی تھا اور اس سے وہ اپنا اور اپنی والدہ کا خرچ چلاتے تھے۔ وہ اپنے اس عشق و محبت کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے شرف یاب نہیں ہو پائے تھے۔

ایک دن انھوں نے اپنی والدہ سے حضورؐ کی زیارت کی اجازت مانگی۔ تاکہ مدینہ پہنچ کر آنحضرتؐ کی زیارت کا شرف حاصل کر سکیں۔ لیکن وہ اس شرط پر اجازت دینے پر راضی ہوئی کہ مدینہ میں آدھے دن سے زیادہ نہیں ٹھہریں گے۔

۱۔ مستدرک الوسائل، ج ۲، ص ۲۳۰ ۲۔ اصول کافی، ج ۲، ص ۱۳۰

حضرت اویس قرنیؓ نے مدینہ کا سفر اختیار کیا اور بڑے شوق اور بے پناہ مشکلات کے ساتھ سفر طے کر کے حضورؐ پاک کے در دولت پر حاضری دی ان کا دل محبوب کے دیدار کے لیے تڑپ رہا تھا اور اشک شوق آنکھوں سے رواں تھے لیکن انھیں بتایا گیا کہ سرکار دو عالمؐ تو مدینہ میں تشریف فرما نہیں ہیں اور کہیں سفر پر گئے ہیں اپنی ماں سے کیے ہوئے وعدے کے پیش نظر صرف آدھے دن تک آنحضرتؐ کا انتظار کیا لیکن حضورؐ تشریف نہیں لائے لہٰذا وہ ختمی مرتبتؐ کی زیارت کا شرف حاصل کیے بغیر مدینہ سے واپس چلے گئے۔

جب حضورؐ پاک مدینہ تشریف لے آئے اور اپنے گھر پہنچے تو آپؐ کو اویس قرنیؓ کے آنے کی خبر دی گئی حضورؐ نے فرمایا ''اویس قرنیؓ'' ہمارے گھر میں نور چھوڑ گئے ہیں۔

پھر فرمایا:

یَفُوْحُ رَوَائِحَ الْجَنَّۃَ مِنْ قِبَلِ الْقَرَنِ وَاَشْوقَاہُ
اِلَیْکَ یَا اُوَیْسَ الْقَرَنِ[1]

''نسیم بہشت قرن کی طرف سے آرہی ہے اے اویس قرنی ہم تمھاری ملاقات کے کس قدر خواہش مند ہیں۔''

۴- باپ کا احترام امام زمانہؑ کا فرمان:

سید محمود موسوی نجفی المعروف سید محمود ہندی کا شمار اپنے زمانہ کے زاہد لوگوں میں ہوتا تھا اور وہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے حرم مقدس میں نماز

[1] منتہی الآمال، ج ۱، ص ۲۳۹

پڑھایا کرتے تھے انھوں نے ایک عالم کی زبانی بیان کیا ہے کہ ان کا ایک دوست تھا جو حمام میں کام کیا کرتا تھا۔ اس نے ذکر کیا ہے کہ میرے والد نہایت ہی بوڑھے ہو چکے تھے میں ان کا بہت ہی احترام کیا کرتا تھا اور ان کا ہر کام پورا کیا کرتا تھا سوائے بدھ کی رات کے کیونکہ اس رات میں امام زمانہ (عج) کے شوق زیارت کے پیش نظر مسجد سہلہ جایا کرتا تھا۔

چنانچہ جب چالیس بدھ کی راتیں مکمل ہو گئیں اور آخری رات کو میں بڑی آرزوئیں لے کر گیا تھا کہ یقیناً آنجنابؑ کی زیارت ہو گی اور جب میں واپس پلٹ رہا تھا تو راستے میں ایک نورانی صورت کے شخص کو دیکھا جو گھوڑے پر سوار تھا، جب میرے نزدیک پہنچا تو میرے نام سے مجھے پکارا اور تین مرتبہ کہا تم اپنے باپ کا خاص خیال رکھا کرو، اور اس کا احترام کیا کرو۔ یہ کہا اور میری نگاہوں سے غائب ہو گیا تو میں نے لمحہ بھر سوچا کہ یہ شخص کون تھا؟ پھر فوراً خیال آیا کہ یہ تو وہی عظیم الشان شخصیت ہیں جن کے شوق دیدار کے لیے میں چالیس بدھ کی راتیں مسجد سہلہ جا چکا ہوں۔

میں نے آنجنابؑ کی سفارش کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا اور والد کی خدمت کے لیے یوں کمر بستہ ہو گیا جیسے کوئی نوکر ہوتا ہے۔[1]

۵- والدین کے لیے اولاد کا فریضہ:

ہم یہاں والدین کے لیے اولاد کے شرعی فریضے کی طرف اشارہ کریں گے بہتر ہے کہ اولاد اپنے والدین کی ضروریات کو پورا کرے۔ زندگی کی مشکلات میں ان کا ہاتھ بٹائے جب انھیں کوئی چیز دینا چاہے تو

[1] منتہی الآمال، ج ۳، ص ۳۴۳

ان کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ نہ لے جائے ان کے آگے نہ چلے، بیٹھتے وقت ان کا سہارا نہ لے۔

منقول ہے کہ حضرت امام زین العابدینؑ نے ایک شخص کو دیکھا جو کہ اپنے باپ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا امام نے اس کی اس گستاخی کی وجہ سے مرتے دم تک اس سے بات نہیں کی۔[1]

اولاد کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ تندمزاجی اور درشت لہجے کے ساتھ والدین کے ساتھ بات کرے یا ان کے سامنے تیوری چڑھا کر آئے کہ اس طرح سے وہ آزردہ خاطر ہو جائیں، اونچی آواز میں ان سے بات نہ کریں ان سے ناراضگی کا اظہار یا ان پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرے، کھانا کھانے میں ان سے پہل نہ کرے، کھانا کھا لینے کے بعد خود ہی دستر خوان کو اکٹھا کرے، انھیں ان کے نام سے نہ پکارے بلکہ بڑے ادب اور احترام کے ساتھ آواز دے، تعظیم اور ادب کے ساتھ ان سے گفتگو کرے، ان کے حق میں دعائے خیر کرے، ان کی زحمتوں اور تکلیفوں کا شکریہ ادا کرے اور قدر کرے اور کہے بار الٰہا! میں انھیں جزا دینے کی طاقت نہیں رکھتا تو خود ہی ان پر رحمت نازل فرما۔''

۶- مرنے کے بعد یاد رکھنا:

والدین کی موت کے ساتھ اولاد کا فریضہ ختم نہیں ہوتا ہے وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہیں عالم برزخ میں رہتے ہیں اور اولاد کی نیکی ان کو مل جاتی ہے لہٰذا اولاد کا فرض ہے کہ والدین کے جو فرائض

۱۔ اصول کافی، ج ۲، ص ۳۶۱

ان سے چھوٹ گئے ہیں وہ انھیں ادا کرے، ان کے قرض چکائے تاکہ انھیں مشکلات سے چھٹکارا ملے، اس بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے دریافت کیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا:

''مرنے کے بعد ان کے لیے نماز پڑھے، ان کے گناہوں کی بخشش کی دعا مانگے، ان کے کیے ہوئے وعدے پورا کرے ان کے دوستوں کا احترام کرے اور ان کے رشتہ داروں سے میل ملاقات رکھے۔''[1]

آپؐ ہی کا ارشاد ہے:

سَیِّدُ الْاَبْرَارِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ رَجُلٌ بَرَّ وَالِدَیْهِ بَعْدَ مَوْتِهِمَا[2]

''بروز قیامت نیک لوگوں کا سردار وہ شخص ہوگا جو والدین کے مرنے کے بعد بھی ان کے ساتھ نیکی کرتا ہے۔''

۷- والدین سے نیک سلوک کا انجام:

ہم یہاں اس خدا پسندانہ فعل کے کچھ فوائد قلم بند کر رہے ہیں۔

۱- بہشت میں پیغمبروں کے ساتھ ہم نشینی۔ حضرت موسیٰؑ نے خداوند عالم سے درخواست کی کہ انھیں بہشت میں ان کے ہم نشین کا تعارف کرایا جائے خداوند عالم نے انھیں ایک قصاب کا پتہ بتایا۔

۱۔ مستدرک الوسائل، ج ۲، ص ۶۳۲

۲۔ بحار الانوار، ج ۱، ص ۸۶

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جوان کی دوکان پر پہنچ گئے اور غروب آفتاب کے وقت اس کے ہمراہ اس کے گھر گئے اس نے کھانا تیار کیا پھر چھت سے لٹکی ہوئی ٹوکری کو نیچے اتارا، اس میں ایک نہایت ہی بڈھی فرتوت عورت بیٹھی ہوئی تھی اس نے اسے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا اور اسے بنایا سنوارا پھر دستر خوان بچھا کر حضرت موسیٰ کے ساتھ کھانا کھانے میں مصروف ہوگیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے بڑھیا کے بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا ''یہ بڑھیا میری والدہ ہے اور چونکہ میری مالی حالت کمزور ہے لہٰذا اس کے لیے کوئی نوکر چاکر نہیں رکھ سکتا اور خود ہی اس کی خدمت پر کمر بستہ رہتا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ اس بڑھیا نے کیا باتیں کیں؟ اس نے کہا میں جب بھی اسے کھانا کھلاتا اور سنوارتا ہوں تو وہ مجھے یہی دعا دیتی ہے کہ ''خدا تمھاری مغفرت کرے اور قیامت کے دن تمھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہم نشین بنائے۔''

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''تمھیں خوشخبری ہو کہ اس کی دعا تمھارے بارے میں قبول ہو چکی ہے۔ اور جبرئیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ تم بہشت میں میرے ہم نشین ہوگے۔[1]

۲- عمر میں اضافہ کا موجب: حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَلْبِرُّ وَ صَدَقَةُ السِّرِّ يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَ يَزِيْدَانِ فِي

۱ پند تاریخ، ج ۱، ص ۷۰

الْعُمُرِ وَ يَدْفَعَانِ عَنْ سَبْعِيْنَ مِيْتَةَ سُوْءٍ[1]

''نیکی کرنا (جن میں سے والدین کے ساتھ نیکی بھی شامل ہے)، اور چھپا کر صدقہ دینا فقر و فاقہ کو دور کر دیتے ہیں اور ستر قسم کی بری موت سے بچاتے ہیں اور اس کے برعکس والدین کے ساتھ بدسلوکی عمر کو کم کر دیتی ہے۔''

۳- رسول خداؐ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کی رضا کا سبب ہے۔ ایک دن رسول خداؐ کی رضاعی (دودھ شریک) بہن ان کے پاس آئیں تو حضورؐ نے ان کے لیے اپنی عبا بچھا دی اور بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ ان سے ملاقات کی، اتفاق سے اسی دن آپؐ کا رضاعی بھائی بھی آگیا لیکن حضورؐ نے بہن کی مانند اس سے سلوک نہیں کیا، کسی نے آپؐ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا:

''چونکہ یہ لڑکی اپنے ماں باپ کے ساتھ بہت محبت کرتی ہے۔''[2]

عمار بن حیان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ''میرا بیٹا اسماعیل مجھ سے بہت محبت کرتا ہے'' تو حضرتؑ نے فرمایا:

میں اسے پہلے بھی دوست رکھتا تھا اب میری اس سے محبت اور بڑھ گئی ہے۔[3]

۱ بحار الانوار، ج ۷۱، ص ۸۱ ۲، ۳ اصول کافی، ج ۲، ص ۱۲۹

۴۔ **حج کا ثواب ہے:** رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''جو اولاد اپنے والدین کی طرف محبت بھری نگاہوں سے دیکھتی ہے تو ہر نگاہ کے بدلے ایک مقبول حج کا ثواب ہوتا ہے۔''

پھر زور دے کر فرمایا:

''والدین کی طرف محبت بھری نگاہ سے دیکھنا عبادت ہے۔''[1]

۵۔ **موت کی آسانی:** حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ خداوند عالم اس پر موت کی سختی آسان کر دے اسے چاہیے کہ وہ اپنے ماں باپ کے رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرے۔''[2]

۶۔ اپنی اولاد کی نیکی کا سبب ہے۔ مثل مشہور ہے کہ ''جیسی کرنی ویسی بھرنی'' اور یہ ضرب المثل ہماری اس گفتگو پر بخوبی صادق آتی ہے۔ اولاد زیادہ تر اپنے والدین سے سیکھتی ہے اگر وہ اپنے والدین کو ان کے ماں باپ کے ساتھ محبت اور اچھا سلوک کرتے دیکھتی ہے تو خود بھی اپنے والدین سے اچھا سلوک کرتی ہے اور اگر انھیں برا سلوک کرتے دیکھتی ہے تو وہ بھی ان سے برا سلوک کرتی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

[1] بحار الانوار، ج ۷۱، ص ۸۰ [2] بحار الانوار، ج ۷۱، ص ۸۱

بِرُّوا آبَاءَكُمْ يَبَرَّكُمْ أَبْنَاؤُكُمْ[1]

''تم اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرو تمھاری اولاد تمھارے ساتھ نیکی کرے گی۔''

۸۔ خدا کا حکم یا والدین کی خواہش؟

باوجودیکہ خداوند عالم نے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے اور ان کی رضا مندی حاصل کرنے کی بڑی تاکید کی ہے۔ لیکن یہ بات بھی ضرور پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اسلام کا یہ حکم اس حد تک قابل عمل ہے جب تک کہ والدین کی خواہشات خدا کے حکم سے متضاد نہ ہوں۔ لیکن جس موقع پر ان کی خواہشات اسلام کے واجب احکام سے متصادم ہوتی نظر آئیں تو پھر اسلام کے حکم کو فوقیت حاصل ہوگی۔ قرآن مجید اس بارے میں یوں ہماری راہنمائی فرماتا ہے:

وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا[2]

''اور اگر وہ دونوں اس بات کی کوشش کریں کہ تم جس کے بارے میں علم نہیں رکھتے اسے میرا شریک قرار دو تو ان کی بات نہ مانو، اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک سلوک کرو۔''

[1] بحار الانوار، ج ۷۱، ص ۱۶۵ [2] سورہ لقمان آیت ۱۵

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِی مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ[1]

''خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جا سکتی۔''

[1] بحار الانوار، ج ۷۱، ص ۸۵

بارھواں سبق

۱- تواضع یا انکساری
۲- تواضع کے بارے میں روایات
۳- تواضع کے آثار
۴- کن لوگوں کے سامنے تواضع
۵- رسول اکرمؐ کی تواضع
۶- حضرت عیسیٰؑ سے ایک سبق
۷- امام زین العابدینؑ کی انکساری
۸- تواضع اپنانے سے متعلق چند نکات

تواضع یا انکساری

تواضع اور فروتنی کے معنی ہیں ''خود کو دوسروں سے چھوٹا ظاہر کرنا''، ''کسرنفسی'' اور ''عاجزی''۔ تواضع اور انکساری انسانی روح کے صحیح سالم ہونے کی ایک علامت ہے۔ انسان دوسروں سے خواہ کتنا ہی بہتر اور برتر ہو لیکن پروردگار عالم کی عظمت کا ادراک اسے اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ خدا کے حضور سر جھکا دے اور بندگان خدا کے سامنے انکساری کا اظہار کرے۔

۲-تواضع کے بارے میں روایات:

حضرت امام رضاؑ فرماتے ہیں:

اِنَّ مِنَ التَّوَاضُعِ اَنْ یَجْلِسَ الرَّجُلُ دُوْنَ شَرَفِہٖ[1]

''تواضع میں سے یہ بات ہے کہ انسان ایسی جگہ پر بیٹھے جو اس کے مقام و منزلت سے کم ہو۔''

[1] اصول کافی، ج ۳، ص ۱۸۷، ترجمہ مصطفوی

آپؑ ہی کا ارشاد ہے کہ:

مِنَ التَّوَاضُعِ اَنْ تَرْضٰی بِالْمَجْلِسِ دُوْنَ الْمَجْلِسِ وَاَنْ تُسَلِّمَ عَلٰی مَنْ تَلْقٰی وَاَنْ تَتْرُکَ الْمِرَآءَ وَاِنْ کُنْتَ مُحِقًّا وَاَنْ لَا تُحِبَّ اَنْ تُحْمَدَ عَلَی التَّقْوٰی[1]

''تواضع ہی میں سے یہ بھی ہے کہ تم ایسی جگہ پر بیٹھنے پر راضی ہو جاؤ جو تمھاری شان سے کم ہے جس سے ملو اس پر سلام کرو خواہ تم حق پر ہی ہو پھر بھی کج بحثی اور لڑائی جھگڑے کو ترک کرو اور اس بات کو پسند نہ کرو کہ تمھارے تقویٰ کی تعریف کی جائے۔''

حضرت امیر المومنین علیؑ فرماتے ہیں:

عَلَیْکَ بِالتَّوَاضُعِ فَاِنَّہٗ مِنْ اَعْظَمِ الْعِبَادَۃِ[2]

''تم پر تواضع کرنا واجب ہے کیونکہ فروتنی بہت بڑی عبادت ہے۔''

ایک دن رسالت مآبؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

''میں تمھارے اندر عبادت کی شیرینی کیوں نہیں دیکھ رہا ہوں؟ انھوں نے عرض کیا: حضورؐ! عبادت کی شیرینی کیا ہوتی ہے؟ فرمایا تواضع۔''[3]

[1] اصول کافی، ج ۳، ص ۱۸۶
[2] بحار الانوار، ج ۷۲، ص ۱۱۹
[3] جامع السعادات، ج ۱، ص ۳۵۵

۳- تواضع کے آثار:

بہت سے اچھے اور نیک کام ایسے ہیں جن کے اخروی اور بہشت کے علاوہ دنیاوی برکتیں اور دوسرے فوائد بھی ہیں جیسا کہ کچھ گناہ ایسے ہوتے ہیں جو اخروی عذاب اور سزا کے علاوہ اس دنیا میں بھی مصیبت اور تباہی کا موجب ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام دعائے کمیل کے اوائل میں انھی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیَ الذُّنُوْبَ الَّتِیْ تُغَیِّرُ النِّعَمِ......

"خداوندا میرے وہ گناہ معاف کردے جو تیری نعمتوں کو الٹ پلٹ کر دیتے ہیں۔"

اب ہم تواضع جیسی محبوب صفت کے کچھ فوائد اور آثار کو بیان کرتے ہیں اس امید کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی تواضع کرنے والوں میں قرار دے۔

الف) تواضع، انسان کی سربلندی کا سبب ہے چنانچہ رسول اکرمؐ فرماتے ہیں:

اِنَّ تَوَاضُعَ لَایَزِیْدُ الْعَبْدَ اِلَّا رِفْعَةً فَتَوَاضَعُوْا رَحِمَکُمُ اللّٰہُ[1]

"تواضع انسان کی سربلندی کے علاوہ کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتی، لہٰذا تم تواضع کیا کرو، خدا تم پر رحمت نازل کرے۔"

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۱۱، ص ۲۱۵

حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

در کوے عشق شوکت شاہی نمی خرند　　اقرار بندگی کن و اظہار چاکری،

عشق کے کوچہ و بازار میں شاہانہ ٹھاٹھ باٹ کا کوئی خریدار نہیں ہے۔ لہٰذا اگر عشق کا سودا کرنا ہے تو بندگی، غلامی اور نوکری چاکری کا اقرار و اظہار کرنا پڑے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی گئی ہے کہ:

اِنَّ فِی السَّمَآءِ مَلَکَیْنِ مُوَکَّلَیْنِ بِالْعِبَادِ فَمَنْ تَوَاضَعَ للّٰہ رفعاہ ومن تکبر وضعاہ[1]

"آسمان میں خدا کی طرف سے بندوں پر دو فرشتے مقرر ہیں اگر کوئی شخص خدا کے لیے تواضع اور انکساری کرتا ہے وہ اسے بلند کر دیتے ہیں اور اگر کوئی شخص تکبر کرتا ہے تو وہ اسے پست کر دیتے ہیں۔"

ب) تواضع ترقی کا زینہ ہے۔ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَلتَّوَاضُعُ سِلَّمُ الشَّرَفِ[2]

"تواضع اور فروتنی عزت و شرف کی سیڑھی ہے۔"

ج) تواضع دوسرے کاموں کے منظم ہونے کا سبب ہے۔ حضرت امیرؑ کا ہی ارشاد ہے:

بخفض الجناح تنتظم الامور[3]

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۱۱، ص ۲۱۵　　۲۔ شرح غرر الحکم، ج ۱، ص ۲۶۳

۳۔ شرح غرر الحکم، ج ۳، ص ۲۲۹

"تواضع کے سبب بہت سے امور منظم ہو جاتے ہیں۔"

د) تواضع دلوں میں محبت پیدا کرتی ہے، حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

ثَمَرَةُ التَّوَاضُعِ الْمَحَبَّةُ

"تواضع کا پھل محبت ہے۔"

۴- تواضع کن لوگوں کے سامنے:

اسلامی نقطہ نظر سے تواضع صرف دینی بزرگوں، علمی شخصیتوں اور خدا کی ذات پر ایمان رکھنے والے افراد ہی کے لیے ہونی چاہیے۔ لیکن ذلیل لوگوں، متکبروں یا دولت مندوں کے سامنے ان کی قدرت، طاقت اور مال و دولت کی وجہ سے تواضع بہت ہی مذموم فعل ہے۔ اگر خدا کی خوشنودی اور رضا کے حصول سے ہٹ کر کسی اور مقصد کے لیے تواضع کی جائے گی تو وہ "ذلت" میں بدل جائے گی اور انسان کی حقارت اور اس کی انسانی عظمت کی پستی کا موجب بن جائے گی۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ اَتٰی غَنِیًّا فَتَوَاضَعَ لَهٗ لِغِنَائِهٖ ذَهَبَ ثُلُثَا دِیْنِهٖ[1]

"جو کسی مال دار شخص کے پاس جا کر اس کی دولت کی وجہ سے اس کے سامنے تواضع کرتا ہے، اس کا دو تہائی دین ختم ہو جاتا ہے۔"

۱ بحار الانوار، ج ۷۵، ص ۳۷۴

۵- رسول اکرمؐ کی تواضع:

خداوند عالم کے برگزیدہ لوگوں میں سے رسول خدا محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات و شخصیت اعلیٰ درجہ کی حامل تھی، اس کے باوجود آپؐ کے اندر اعلیٰ درجہ کی فروتنی اور انکساری پائی جاتی تھی۔

آپؐ تواضع کی بنا پر اپنی بھیڑ بکریوں کو خود ہی دانہ پانی دیتے تھے اپنے مقدس ہاتھوں سے ان کا دودھ دوہتے تھے۔ اپنے پھٹے پرانے کپڑوں اور جوتوں کو خود ہی ٹانکے لگاتے تھے، اپنے نوکروں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے، چکی پیسنے میں اپنے خدمت گاروں کا ہاتھ بٹاتے تھے، بازار سے سودا سلف خرید کر اپنے گھر خود لے جاتے تھے، ہر امیر و غریب اور چھوٹے بڑے شخص سے مصافحہ کرتے تھے، سلام کرنے میں پہل کرتے تھے اور تمام مومنین کی دعوت کو قبول فرماتے تھے۔[1]

۶- حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک سبق:

ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: "تم سے میری ایک درخواست ہے۔" انھوں نے عرض کیا: "اے روح خدا! حکم فرمائیں، ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ فرمایا آج میں چاہتا ہوں کہ تمھارے پاؤں دھلاؤں۔

یہ کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے پاؤں دھلائے۔ انھوں نے عرض کیا: "اے روح خدا! یہ کام تو ہمارے کرنے کا ہے، آپ نے ایسا

۱ بحار الانوار، ج ۷۰، ص ۲۰۸

کیوں کیا؟ فرمایا:

"لوگوں کی خدمت کرنے میں عالم اس بات کا زیادہ حق دار ہوتا ہے میں نے اس طرح سے تواضع کر کے تمھیں سبق دیا ہے کہ میرے بعد تم لوگوں کے درمیان تواضع سے کام لو۔"

پھر فرمایا:

"تواضع ہی کی وجہ سے حکمت اور دانائی کی عمارت استوار ہوتی ہے نہ کہ تکبر کی وجہ سے زراعت، ہموار زمین میں نشوونما پاتی ہے نہ کہ پہاڑوں پر۔"[1]

۷- حضرت امام زین العابدینؑ کی انکساری:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے والد امام زین العابدین علیہ السلام ایسے لوگوں کے ساتھ سفر کرتے تھے جو انھیں نہیں پہچانتے تھے اور قافلہ والوں سے یہ عہد لیتے تھے کہ میں تمھاری ضروریات کو پورا کروں گا۔

ایک سفر کے دوران آپؑ مسافروں کی خدمت میں سرگرم عمل تھے کہ ایک شخص نے آپؑ کو پہچان لیا اور قافلہ والوں سے کہا تمھیں معلوم نہیں یہ کون ہیں؟ یہ تو علی ابن الحسینؑ (امام زین العابدینؑ) ہیں۔

یہ سن کر لوگ آپؑ کے گرد جمع ہو گئے اور آپؑ کے ہاتھ پاؤں کو

۱ اصول کافی، ج ۱، ص ۳۵ ترجمہ مصطفوی

بوسے دینے لگے اور عرض کرنے لگے۔ "فرزند رسولؐ! آیا آپؑ چاہتے ہیں کہ ہم جہنم چلے جائیں؟ اگر ہم آپؑ کی شان میں گستاخی کرتے تو بدبخت ہو جاتے آخر آپؑ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟

امام نے جواب دیا ایک مرتبہ میں نے واقف کار لوگوں کے ساتھ سفر کیا، انھوں نے رسول خداؐ کے احترام کی وجہ سے میرا بے حد احترام کیا، مجھے اس بات کا خوف تھا کہ تم لوگ بھی میرے ساتھ وہی سلوک کرو اسی لیے ایک اجنبی کی صورت میں میں نے تمھارے ساتھ سفر کو اختیار کیا۔[1]

۸- تواضع سے متعلق چند نکات:

(۱) ہم سلام کرنے میں دوسروں سے پہل کریں اور کسی سے سلام کی امید نہ رکھیں۔

(۲) مجلس میں جہاں جگہ خالی ہو وہیں بیٹھ جائیں۔

(۳) دوسرے لوگوں پر حکم نہ چلائیں یا انھیں کسی کام کا حکم نہ دیں۔

(۴) اپنے ذاتی کاموں کو خود انجام دیں۔

(۵) اپنے ماتحت لوگوں کو اپنا معاون سمجھیں۔

(۶) بحث و مباحثہ اور لڑائی جھگڑا سے دور رہیں۔

(۷) خدا ہی کے لیے کام کریں اور لوگوں سے داد و تحسین وصول کرنے کی امید نہ رکھیں۔

(۸) خود کو قیمتی اور فاخرہ لباس پہننے کا پابند نہ بنائیں۔

۱ سفینۃ البحار، ج ۱، ص ۳۸۲

(۹) سفر کے دوران اپنے ہم سفر لوگوں کی خدمت کریں۔

(۱۰) حق اور حق کے قانون کی اطاعت کریں۔

(۱۱) بزرگوں کی زندگی کا مطالعہ کریں اور اس سے سبق حاصل کریں۔

عُیُونُ اَخبارِ الرِّضاؑ

جلد اول، دوم

تالیف

الشیخ الصدوقؒ بن بابویہ
ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین القمی
متوفی سال-۳۸۱ ہجری

مترجم

سید تبشر الرضا کاظمی (مرحوم)
منیر الحسن جعفری

خودسازی

مصنف آیت اللہ ابراہیم امینی

مترجم

حجۃ الاسلام علامہ اختر عباس نجفی

مکتبۃ الرضا 8- بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ فون: 042-7245166